سورۃ الفرقان

ایاتہا ٧٨ | ٢٥ سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ٤٢ | رکوعاتہا ٦

جمہور علماء کے نزدیک یہ تمام سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: اس کی تین آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ضحاک نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور اس میں کی آیات ہیں۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔

اس سورت کا مقصود قرآن کی عظمت کا بیان، کفار جو نبوت میں طعن کرتے ہیں ان کا ذکر، ان کے مقالات اور جہالتوں کا رد ہے، ان کی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے وہ کہتے ہیں: قرآن کو حضرت محمد نے خود گھڑا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل نہیں کیا گیا۔ نعوذ باللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

"بڑی خیر (و برکت) والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان، اپنے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان والوں کو (غضب الٰہی سے) ڈرانے والا، وہ جس کے لیے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں بنایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہیں اس کا کوئی شریک سلطنت میں اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو، پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ۔ اور بنا رکھے ہیں انہوں نے خدائے برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان (سے بچانے) کی اور نہ نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے کی اور نہ مرنے کے بعد جلانے کی"۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ، تَبٰرَكَ کے معنی میں اختلاف ہے۔ فراء نے کہا: عربی لغت میں تَبٰرَكَ اور تقدس ایک ہی ہیں دونوں لفظ عظمت کے لیے بولے جاتے ہیں۔ زجاج نے کہا: تبارك یہ برکت سے تفاعل کا وزن ہے۔ کہا: برکت کا معنی ہے ہر خیر والے کی جانب سے کثرت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبارك کا معنی ہے بلند ہونا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تعالی عطاء ہ، اس کی عطا زیادہ اور کثیر ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس کا انعام دائمی ہے اور ثابت ہے۔ نحاس نے کہا: لغت اور اشتقاق میں یہ ان سب سے اولیٰ ہے، یہ برك الشیء سے مشتق ہے، جب وہ ثابت ہو، اسی سے برك الجمل والطیر علی الماء ہے یعنی وہ ثابت رہا۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے وہ غلط ہے کیونکہ تقدیس میں طہارت کا تصور ہوتا ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تو کہا جاتا ہے تبارك الله، یہ نہیں کہا جاتا: الله متبارك، اور نہ ہی یہ کہا جاتا ہے: الله مبارك کیونکہ الله تعالیٰ کے اسماء اور صفات امور توقیفی ہیں (☆) وہی اسماء وصفات ذکر کی جاسکتی ہیں جن کے بارے میں کوئی نص ہو۔ طرماح نے کہا:

تبارکتَ لا معط لشیء منعتہ ولیس لما اعطیتَ یا ربِّ مانعُ

''تو بڑی ہی برکتوں والا ہے جس شے کو تو روک لے وہ کوئی عطا کرنے والا نہیں اور جو تو عطا کرے اے میرے رب! اسے کوئی روکنے والا نہیں''۔

ایک اور نے کہا: تبارکتَ ما تقدِرْ یقع ولکَ الشکر تو بڑی ہی برکتوں والا ہے تو جو اندازہ لگاتا ہے وہ واقع ہو جاتا ہے اور تیرے لیے شکر ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض علماء نے الله تعالیٰ کے اسماء میں مبارك ذکر کیا ہے اور ہم نے بھی اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے، اگر اس پر اجماع واقع ہو کہ یہ اسم استعمال نہ کیا جائے تو اجماع کی وجہ سے اسے تسلیم کیا جائے گا اگر اس میں اختلاف واقع ہو تو بہت سے اسماء ایسے ہیں جن کو اسم شمار کرنے میں اختلاف ہے جس طرح دھر وغیرہ۔ ہم نے وہاں اس پر متنبہ کر دیا ہے۔ الحمدلله۔

الْفُرْقَانَ سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر نازل شدہ کتاب کا نام ہے جس طرح فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ (الانبیاء: 48) اس کا نام فرقان رکھنے کی دو وجہیں ہیں: (۱) اس نے حق اور باطل، مومن اور کافر میں تفریق کر دی ہے (۲) جو حلال وحرام کے احکام مشروع کیے گئے ہیں ان کی اس میں وضاحت ہے، نقاش نے اس کی وضاحت کی ہے۔ عَلٰى عَبْدِهٖ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا، یکون کا اسم مضمر ہے جو ہو ضمیر ہے؛ وہ عَبْدِهٖ کی طرف لوٹ رہی ہے یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اس سے زیادہ قریب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ضمیر الْفُرْقَانَ کی طرف لوٹے۔ حضرت عبدالله بن زبیر رضی اللہ عنہما نے علی عبادہ قراءت کی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: انذر جب وہ ڈرائے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ النذیر جو ہلاکت سے خبردار کرنے والا ہو۔ جوہری نے کہا: نذیر کا معنی منذر ہے اور نذیر کا معنی انذار بھی ہے۔ العالمین سے مراد یہاں انسان اور جن ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے لیے نذیر تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ

☆ قرآن اور حدیث میں جیسے ذکر آیا ہے قیاس اور اجتہاد کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

کسی کی رسالت عام نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد تمام انسانوں کے لیے رسول تھے کیونکہ آپ کے ذریعے مخلوق کا آغاز ہوا۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کو بیان فرمایا وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان کی ان چیزوں سے، جو مشرکوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ان چیزوں سے بھی پاکی بیان کی، جو یہودیوں نے کہا: حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے اور اس سے پاکی بیان کی، جو نصاریٰ نے کہا: حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے ماوراء ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ جس طرح بت پرستوں نے کہا: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ بات اس طرح نہیں جس طرح مجوسیوں اور بت پرستوں نے کہا: شیطان اور ظالم بعض اشیاء کو پیدا کرتے ہیں۔ اور نہ ہی بات اس طرح ہے جس طرح کوئی یہ کہتا ہے: مخلوق کو ایجاد کی قدرت حاصل ہے، آیت اس سب کا رد کرتی ہے۔ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا مخلوقات میں سے جس چیز کو بھی پیدا کیا اپنی حکمت کے ساتھ اس کا اندازہ لگایا، جس کا بھی ارادہ کیا سہو اور غفلت سے پیدا نہیں کیا۔ مقادیر اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر قیامت اور قیامت کے بعد تک جاری ہیں وہی خالق اور مقدر ہے پس اسی کی عبادت کرو۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً مشرکوں نے جو کچھ کہا اس کا ذکر تعجب کے انداز میں کیا کہ انہوں نے کئی معبود بنا لیے، ساتھ ہی ساتھ اپنی وحدانیت اور قدرت پر دلیل کو ظاہر کیا۔ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا یہ معبودان باطلہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے۔ وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ جب کہ انہیں بنایا جاتا ہے۔ جب مشرکوں نے اعتقاد کیا کہ یہ بت نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کو اس طرح تعبیر کیا جس طرح ذوی العقول کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا نہ وہ تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ نفع لا سکتے ہیں، مضاف کو حذف کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں یا نفع پہنچائیں اور نہ ہی انہیں، جو ان کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ یہ جمادات ہیں۔

وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا نہ وہ کسی کو موت دیتے ہیں اور نہ ہی کسی کو زندہ کرتے ہیں۔ نشور سے مراد موت کے بعد زندگی دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا تو وہ زندہ ہو گئے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

حتی یقول الناس مما رأوا یا عجبا للمیت الناشر

یہاں تک کہ لوگوں نے جو دیکھا اس کی وجہ سے کہا انھیں: اس میت پر تعجب جو دوبارہ زندہ ہونے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝

''اور کہنے لگے کفار کہ نہیں یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑلیا ہے اس نے اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے، سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور کفار نے کہا: یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے، اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں، پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ ازبر ہوجائیں) آپ فرمایئے: اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے بارے رازوں کو، واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا مراد مشرکین قریش ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان میں سے یہ بات کرنے والا نضر بن حارث تھا اور اس طرح قرآن میں جہاں بھی اساطیر کا ذکر ہے اس کا کہنے والا بھی یہی تھا (1)۔ محمد بن اسحاق نے کہا: وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اِنۡ ھٰذَاۤ اسم اشارہ سے مراد قرآن حکیم ہے اِلَّاۤ اِفۡکُ اۨفۡتَرٰىہُ یعنی جھوٹ ہے جو خود انہوں نے گھڑا ہے۔ وَ اَعَانَہٗ عَلَیۡہِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ مراد یہودی ہیں، یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ سے مراد ابو فکیہ جو بنی حضرمی کا غلام تھا، عداس اور جبر ہے، یہ تینوں اہل کتاب تھے۔ سورۂ نحل میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا انہوں نے ظلم کیا، ظلم سے پہلے باحرف محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے فقد اتوا ظلما انہوں نے ظلم کیا۔ وَّ زُوۡرًا ۝ وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ زجاج نے کہا: اساطیر کا واحد اسطورہ ہے جس طرح احدوثہ کی جمع احادیث آتی ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اساطیر، یہ اسطار کی جمع ہے جس طرح اقوال کی جمع اقاویل آتی ہے۔ اکۡتَتَبَہَا اسے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لکھا ہے فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ یہ اس پر پڑھا جاتا ہے۔ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا صبح و شام، یہاں تک کہ یہ یاد ہو جاتا ہے۔ تُمۡلٰی اصل میں تملل ہے، ایک جنس کے دو حرف ہونے کی وجہ سے دوسرے لام کو یاء سے بدل دیا جس طرح تقضی البازی اصل میں تقضض تھا اسی طرح دوسرے افعال میں بھی ایسا ہوتا ہے۔

قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے: اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو سر کو جانتا ہے وہ عالم الغیب ہے اسے کسی معلم کی کوئی ضرورت نہیں۔ السِّرَّ کا ذکر کیا جہر کا ذکر نہیں، کیونکہ جو ذات سر کو جانتی ہے وہ جہر کو بدرجہ اولیٰ جانتی ہے۔ اگر قرآن اہل کتاب وغیرہ سے اخذ کیا گیا ہوتا تو ان پر زائد نہ ہوتا جب کہ یہ ایسے فنون لایا ہے جو ان سے خارج ہیں یہ ان سے ماخوذ نہیں۔ اگر یہ ان سے ماخوذ ہوتا تو مشرک بھی اس پر قادر ہوتے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قادر ہوئے، انہوں نے اس کے ساتھ معارضہ کیوں نہ کیا تو ہر طرح سے ان کا اعتراض باطل ہوگیا۔ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا وہ اپنے اولیاء کے گناہ بخشنے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے۔

وَ قَالُوۡا مَالِ ہٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَہٗ نَذِیۡرًا ۝ اَوۡ یُلۡقٰۤی اِلَیۡہِ کَنۡزٌ اَوۡ تَکُوۡنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاۡکُلُ مِنۡہَا ؕ وَ

1۔ المحرر الوجیز

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞

”اور کفار بولے: کیا ہوا ہے اس رسول کو کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں، ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا، کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے، اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے ہو مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے“۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَقَالُوْا ان کے طعنوں میں سے ایک اور چیز کا ذکر کیا۔ قَالُوْا میں ضمیر قریش کے لیے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشہور ملاقات ہوئی۔ سورۂ اسراء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے سردار عتبہ بن ربیعہ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور عرض کیا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر تو سرداری کو پسند کرتا ہے تو ہم تجھے اپنے اوپر حاکم بنا دیتے ہیں، اگر تو مال سے محبت کرتا ہے تو ہم اپنے اموال میں سے آپ کے لیے مال جمع کیے دیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو وہ حجت بازی کی طرف لوٹ آئے۔ انہوں نے کہا: کیا وجہ ہے تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں ٹھہرتا ہے (1) جب کہ تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے، انہوں نے کھانا کھانے پر عار دلائی کیونکہ انہوں نے یہ اندازہ کیا تھا کہ رسول تو فرشتہ ہوتا ہے، بازار میں چلنے پر عار دلائی جب انہوں نے کسریٰ، قیصر اور جابر بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ تو بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں ان سے ملتے جلتے انہیں بعض چیزوں کا حکم دیتے اور انہیں بعض چیزوں سے منع کرتے۔ انہوں نے کہا: یہ خواہش رکھتا ہے کہ ہمارا بادشاہ بن جائے تو پھر بادشاہوں کے طریقے کی کیوں مخالفت کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ جواب دیا، اور اپنے نبی پر اسے نازل کیا: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ آپ غم نہ کریں اور غمگین نہ ہوں، یہ ایسا عیب ہے جس کی عار آپ سے دور کر دی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر2۔ تجارت اور طلب معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضرورت کے لیے اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی دعوت یاد کرانے کے لیے داخل ہوتے۔ اور اپنی ذات کو قبائل پر پیش کرتے ممکن ہے اللہ تعالیٰ انہیں حق کی طرف پھیر دے۔ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان کی گئی ہے: ”نہ ترش رو اور نہ سخت دل اور نہ ہی بازار میں شور و شغب کرنے والے“۔ سورۂ اعراف میں یہ گزر چکی ہے۔ بازار کا ذکر کئی روایات میں مذکور ہے جس کا ذکر اہل صحیح نے کیا ہے۔ صحابہ کرام کی تجارت تو معروف ہے خصوصاً مہاجرین کی تجارت تو مشہور ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے مہاجر بھائیوں کو بازاروں میں خرید و فروخت مشغول رکھتی، اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے، اس سورت میں اس مسئلہ پر مزید گفتگو ہوگی۔

1۔ المحرر الوجیز

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ، لَوْلَآ، ھلا کے معنی میں ہے، فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا یہ جواب استفہام ہے اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ یہ محل رفع میں ہے معنی ہے ھلا یلقی یعنی کیوں نہیں ان کی طرف بھیجا گیا خزانہ؟ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا یا ان کے لیے کوئی باغ کیوں نہیں جس سے وہ کھاتے يَّاْكُلُ یاء کے ساتھ ہے مدنیوں، ابوعمرو اور عاصم نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے باقی کوفہ کے قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں قرائتیں اچھی ہیں جو صحیح معنی دیتی ہیں اگرچہ یاء کے ساتھ قراءت زیادہ واضح ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکیلے ذکر پہلے گزر چکا ہے تو آپ کی طرف ضمیر لوٹانا زیادہ واضح ہے۔

وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا اس کی تفسیر سورۃ الاسراء میں گزر چکی ہے۔ یہ بات کرنے والا ابن زبعری تھا جس کا ذکر ماوردی نے کیا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

''ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سووہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہوگئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے۔ بڑی خیر (وبرکت) والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنا دے آپ کے لیے بڑے بڑے محلات''۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ امثال بیان کیں تاکہ وہ آپ کو جھٹلانے تک پہنچ سکیں۔ فَضَلُّوْا وہ حق کے راستہ اور جس کا انہوں نے ارادہ کیا اس تک پہنچنے سے گمراہ ہوگئے۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا انہوں نے جو کچھ آپ کے متعلق کہا اس کی صحت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ یہ کلام شرط و جزا ہے۔ جَعَلَ لَكَ میں ادغام نہیں کیا کیونکہ دونوں کلمے منفصل ہیں دو ہم مثل حروف کے اجتماع سے ادغام جائز ہوتا ہے۔ وَ يَجْعَلْ لَّكَ محل جزم میں ہے اس کا عطف جَعَلَ کے محل پر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو جب کہ ماقبل سے اس کو قطع کر دیا گیا ہو، اہل شام نے اسی طرح قراءت کی ہے، عاصم سے بھی اسی طرح مروی ہے وَ يَجْعَلُ لَّكَ مرفوع ہے یعنی و سیجعل لک فی الآخرۃ قصورا وہ تیرے لیے آخرت میں محلات بنا دے۔ مجاہد نے کہا: قریش پتھر کے بے گھر کو قصر کہتے خواہ کیسا ہوتا۔ لغت میں قصر کا معنی روکنا ہے، محل کو قصر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں جو ہوتا ہے اس تک پہنچنے سے روک دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرب مٹی کے گھروں کو قصر کہتے اور اون اور جانوروں کے بالوں سے بنے گھر کو بیت کہتے، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سفیان نے حبیب بن ابی ثابت انہوں نے خیثمہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو ہم آپ کو دنیا کے خزانے اور ان کی چابیاں دے دیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کو نہیں دیئے گئے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیئے جائیں گے اور یہ آخرت میں آپ کے اجر میں کوئی کمی کرنے والے نہ ہوں گے اور اگر آپ چاہیں تو ہم اسے آخرت میں آپ کے لیے جمع کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی: ''یہ آخرت میں میرے لیے جمع کر دیئے جائیں'' تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ (1) یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ آیت جنتوں کے خازن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک لائے۔ حدیث میں ہے: رضوان جب نازل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا پھر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم رب العزت تجھے سلام فرماتا ہے یہ ڈبیہ ہے۔ وہ نور کی ایک ڈبیہ تھی جو چمک رہی تھی۔ آپ کا رب آپ کو فرماتا ہے: یہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں ہیں جب کہ آخرت میں مچھر کے پر کے برابر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے ارادہ سے حضرت جبرئیل امین کی طرف دیکھا، حضرت جبرئیل امین نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا مقصد تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دینا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے رضوان! مجھے اس کی ضرورت نہیں فقر مجھے زیادہ محبوب ہے اور مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں صابر و شکر گزار بندہ بنوں''۔ رضوان نے عرض کی: آپ نے صحیح فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝

''بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو، اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے لیے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انہیں دور سے تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔ اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو (کہا جائے گا بدبختو!) نہ مانگو آج ایک موت بلکہ مانگو بہت سی موتیں''۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ اس ساعت سے مراد یوم قیامت ہے۔ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا، سعیر سے مراد جہنم ہے جو ان پر جوش مار رہی ہوگی۔ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ وہ پانچ سو سال کی مسافت سے انہیں دیکھے گی۔ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب جہنم انہیں دیکھے گی تو وہ اس کی آواز سنیں گے جو آواز اس کے ان پر حد درجہ غصے ہونے کی ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب جہنم کے خازن انہیں دیکھیں گے تو وہ لوگ ان خازنوں کے غصے ہونے کی آواز سنیں گے جو ان کو عذاب دینے کے حریص ہوں گے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ جہنم کی دو آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانہ بنالے''۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! اس کی دو آنکھیں بھی ہیں؟ فرمایا: ''کیا تم اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنتے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا۔ (2) جہنم کی آگ میں سے ایک گردن ظاہر ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی، وہ کہے گی: جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنایا اس کا معاملہ میرے سپرد کر دیا گیا ہے، تو وہ ان لوگوں کو اس پرندے سے زیادہ دیکھے گی جو تل کے دانہ کو دیکھتا ہے اور اسے اٹھا لیتا ہے''۔ ایک روایت میں ہے: ''آگ سے ایک گردن نکلے گی وہ

1۔ تفسیر طبری
2۔ ایضاً

کفار کو یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ تل کے دانے کو اٹھالیتا ہے''۔ رزین نے اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ابن عربی نے اسے اپنی قبس میں صحیح قرار دیا ہے اور کہا: وہ گردن مخلوق سے انہیں یوں الگ کرلے گی جس طرح پرندہ مٹی سے تل کے دانے کو الگ کرلیتا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز آگ (جہنم) سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھتی ہوں گی، دو کان ہوں گے جو سنتے ہوں گے، ایک زبان ہوگی جو گفتگو کرے گی وہ کہے گی: تین قسم کے افراد میرے سپرد کیے گئے ہیں: (۱) ہر عناد رکھنے والا جابر (۲) ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کے معبود ہونے کا دعویٰ کیا (۳) تصویریں بنانے والے''۔

اس باب میں حضرت ابوسعید کی ایک روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ کلبی نے کہا: انہوں نے ایسا غصہ سنا جیسا انسان کا غصہ ہوتا ہے اور ایسی آواز سنی جیسی آواز گدھے کی ہوتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے انہوں نے اس کی چنگھاڑ کو سنا اور اس کے غصہ کو جانا۔ قطرب نے کہا: تغیظ کو سنا نہیں جاتا بلکہ اسے دیکھا جاتا ہے، اس کا معنی ہے انہوں نے اس کے غصہ کو دیکھا اور اس کی چنگھاڑ کو سنا، جس طرح شاعر کا قول ہے:

ورأيتُ زوجَكِ في الوَغَى　متقلِّدًا سيفًا ورُمْحًا

میں نے جنگ میں تیرے خاوند کو دیکھا جو تلوار کو قلادہ بنائے اور نیزہ اٹھائے ہوئے تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لها، فیها کے معنی میں ہے یعنی اس میں عذاب دیئے گئے لوگوں کے غصہ اور چیخ و پکار کو سنیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ (ہود) فی اور لام قریب قریب ہیں۔ تو کہتا ہے: أفعلُ هذا في الله و لله میں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ عمل کرتا ہوں، دونوں جملوں کا معنی ایک ہے۔

وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عبداللہ کہا کرتے تھے: جہنم کافر پر یوں تنگ کی جائے گی جس طرح لوہا نیزے کے سرے پر تنگ کیا جاتا ہے، ابن مبارک نے اسے دقائق میں ذکر کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے، ثعلبی اور قشیری نے ان سے یہ بیان کیا ہے، ماوردی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت نقل کی ہے۔ مُقَرَّنِيْنَ کا معنی ہے جکڑے ہوئے؛ یہ ابوصالح کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ طوق میں جکڑ دیئے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے شیطان کے ساتھ ملا دیا جائے گا؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سورۂ ابراہیم میں یہ گزر چکا ہے، عمرو بن کلثوم نے کہا:

فآبوا بالنهاب وبالسبايا　وابنا بالملوك مقرنينا

وہ غنیمتوں اور قیدیوں کے ساتھ لوٹے جب کہ ہم لوٹے ایسے بادشاہوں کے ساتھ جن کو جکڑا گیا تھا۔

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ثبور کا معنی ہلاکت ہے؛ یہ ضحاک نے کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ثبورا کا معنی ویل

ہے۔(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "سب سے پہلے جو یہ کلمہ کہے گا وہ ابلیس ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے آگ کا حلہ پہنایا جائے گا، اس حلہ کو اس کے آبروؤں پر رکھا جائے گا، اس کے پیچھے سے اسے ہانکا جائے گا اس کی اولاد اس کے پیچھے ہوگی وہ کہہ رہا ہوگا: ہائے ہلاکت"۔ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے اسے نصب دی گئی ہے، تقدیر کلام یہ ہے: ثبرنا ثبورا؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ مفعول بہ ہے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا کیونکہ تمہاری ہلاکت اس سے زیادہ ہے کہ تم ایک دفعہ ہلاکت پکارو۔ ثبورا کہا، کیونکہ یہ مصدر ہے جو قلیل اور کثیر کے لیے واقع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی، یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: ضربتہ ضربا کثیرا و قعد قعودا طویلا یہ آیات ابن خطل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝۱۶

"ان سے پوچھیے: (ذرا بتاؤ) یہ بھڑکتی ہوئی آگ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے، ہوگی یہ جنت ان کے اعمال کا صلہ اور (ان کی زندگی کا) انجام"۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ اگر یہ کہا جائے: کس طرح یہ کہا: اَذٰلِكَ خَيْرٌ جب کہ آگ میں تو کوئی خیر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیبویہ نے عربوں سے یہ حکایت بیان کی ہے الشقاء أحب إلیك أم السعادة بدبختی تجھے زیادہ محبوب ہے یا سعادت، جب کہ یہ تو معلوم ہے کہ سعادت ہی اسے زیادہ محبوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ افعل منك کے باب میں سے نہیں بلکہ یہ تو تیرے اس قول کی طرح ہے: عندہ خیر، نحاس نے کہا: یہ اچھا قول ہے جس طرح فرمایا: فشرکما لخیرکما الفداء تم میں سے برا تم میں سے اچھے پر فدا ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے فرمایا، کیونکہ جنت اور دوزخ منازل کے باب میں داخل ہیں یہ اس لیے فرمایا کیونکہ دونوں منزلوں میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ کی طرف پھیرا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا کی طرف لوٹایا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے کفار! یہ تمہارے علم اور تمہارے اعتقاد کے اعتبار سے فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جہنمیوں کا سا عمل کرتے ہیں تو وہ اس طرح ہو گئے گویا وہ کہتے ہیں: بے شک آگ میں بھلائی ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا اس کے لیے وہ نعمتیں ہیں جو وہ چاہیں گے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جو ان کے اعمال کی جزا ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس وعدہ کا سوال کیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تو ہمیں وہ عطا کر جو تو نے اپنے رسولوں کی زبانوں پر ہم سے وعدہ کیا ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے ان کے لیے جنت کا سوال کریں گے، اس کی دلیل

1۔ تفسیر طبری

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ (غافر:8) یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا کا معنی ہے واجب، اگرچہ اس کا سوال نہ کیا جائے جس طرح قرض ہوا کرتا ہے؛ عربوں سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے: لاعطینك ألفا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا کا معنی ہے یہ تیرے لیے ثابت ہے تو اس کا سوال کر۔ زید بن اسلم نے کہا: انہوں نے دنیا میں جنت کا سوال کیا اور دعا کے ذریعے اس میں رغبت کی تو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کو عطا فرمایا جو انہوں نے سوال کیا تھا اور جو انہوں نے مطالبہ کیا تھا وہ دے دیا، یہ تعبیر پہلے قول کی طرف راجح ہے۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ﴿۱۹﴾

''اور جس روز (محشر میں) اللہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان (باطل خداؤں) کو جنہیں یہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا تو اللہ پوچھے گا (ان معبودوں سے) کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے، وہ کہیں گے تو پاک ہے ہر عیب سے، ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم بناتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست لیکن تو نے آرام و آسائش عطا کی انہیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دیا تیری یاد کو اور (یوں) وہ لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ (اے کفار!) تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا جو تم کہتے ہو پس اب نہ تم اپنے سے عذاب کو پھیر سکتے ہو اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی، اور جس نے ظلم کیا تم میں سے تو ہم چکھائیں گے اسے عذاب بڑا''۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ ابن محیصن، حمید، ابن کثیر، حفص، یعقوب اور ابو عمرو نے دوری کی روایت میں یَحْشُرُهُمْ یاء کے ساتھ قراءت کی ہے، ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ کلام کے شروع میں ہے كَانَ عَلٰى رَبِّكَ اور اس کے آخر میں ہے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ باقی قراء نے اسے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس سے مراد فرشتے، انسان، جن، حضرت مسیح اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں جن کی لوگ عبادت کرتے تھے، یہ مجاہد اور ابن جریج کا قول ہے۔ ضحاک اور عکرمہ نے کہا: مراد بت ہیں۔ فَیَقُوْلُ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے: یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابن عامر اور ابو حیوہ نے تعظیم کے لیے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ یہ استفہام ہے اور کفار کو توبیخ کی جا رہی ہے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ جو معبود تھے انہوں نے کہا: سُبْحٰنَكَ تو ہر عیب سے پاک ہے۔ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر وہ بت جن کی عبادت کی جاتی ہے انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو وہ بات کس

طرح کریں گے جب کہ وہ تو جمادات میں سے ہیں؟ اسے جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح قوت گویائی دے گا جس طرح ہاتھوں اور پاؤں کو قوت گویائی دے گا۔ حضرت حسن بصری اور ابو جعفر نے اسے أن نتخذ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے نحویوں نے اس قراءت میں گفتگو کی ہے۔ ابو عمرو بن علاء اور عیسیٰ بن عمر نے کہا: نتخذ پڑھنا جائز نہیں۔ ابو عمرو نے کہا: اگر یہ نتخذ ہوتا تو دوسرا من حذف کر دیا جاتا تو تو یہ پڑھتا نتخذ من دونك اولیاء؛ ابو عبیدہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نتخذ جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے من دو دفعہ ذکر کیا ہے اگر کلام اس طرح ہوتا جس طرح اس نے قراءت کی ہے تو یوں ارشاد ہوتا، اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرا من زائد ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو جیسا جلیل القدر آدمی جو کہتا ہے اس کو مستحسن سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ دلیل لایا ہے، اس نے جو کہا اس کی وضاحت یہ ہے کہ کہا: میں نے کسی آدمی کو دوست نہیں بنایا۔ یہ کسی معین فرد کے لیے تو جائز ہے۔ پھر کہا جائے گا: میں نے کسی کو بھی دوست نہیں بنایا تو یہ عام نفی ہوگی۔ تیسرا قول: ولیا؛ یہ ماقبل کے تابع ہے تو اس میں من داخل کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ رسولوں کے وصال کے بعد تو نے انہیں دنیا میں صحت، غنا اور طویل عمر کے ساتھ لطف اندوز کیا۔ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ یہاں تک کہ انہوں نے تیرے ذکر کو ترک کیا اور تکبر و جہالت کی وجہ سے تیرے ساتھ شرک کیا تو انہوں نے ہماری عبادت کی جب کہ ہم نے انہیں اس بات کا حکم نہیں دیا تھا۔ ذکر کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) فرقان جو رسولوں پر نازل کیا گیا، انہوں نے اس پر عمل کو ترک کر دیا، یہ ابن زید کا قول ہے (۲) جوان پر احسان کیا گیا اس پر شکر اور ان پر انعام۔

وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا بے شک وہ ہلاک ہونے والے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ بوار سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہلاکت ہے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اہل حمص پر جھانکے فرمایا: اے اہل حمص! اس بھائی کی طرف آؤ جو تمہارا مخلص ہے۔ جب وہ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم حیاء کیوں نہیں کرتے تم ایسے گھر بناتے ہو جن میں رہتے نہیں، ایسا مال جمع کرتے ہو جس کو کھاتے نہیں اور ایسی امیدیں رکھتے ہو جس کو پاتے نہیں تم سے قبل جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے مضبوط گھر بنائے، غلام جمع کیے، دور کی امیدیں رکھیں ان کی جمعیتیں ہلاک ہو گئیں، ان کی آرزویں کھوٹی ہو گئیں اور ان کے گھر قبریں بن گئے۔ بورا کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے: ان کے گھر برباد ہو گئے یعنی خالی ہو گئے، ان میں کوئی چیز باقی نہ بچی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بورا کا معنی ہے ان میں کوئی خیر نہیں۔ یہ بوار الأرض سے مشتق ہے اس کا معنی ہے کھیتی سے اس کو معطل کر دینا تو اس زمین پر کوئی خیر نہ رہی۔ شہر بن حوشب نے کہا: بوار کا معنی فاسد ہونا اور کساد بازاری کا شکار ہونا ہے، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: بارت السلعة جب سامان میں خرید و فروخت نہ رہے۔ اس معنی میں ایک حدیث طیبہ ہے: نعوذ باللہ من بوار الایم ہم بے خاوند عورت کے نہ پوچھے جانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ اسم مصدر ہے جس طرح زور، اس میں واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مونث برابر ہیں، ابن زبعری نے کہا:

یا رسول الملیك أن لسانی　راتق ما فتقتُ إذ أنا بور

إذ أباری الشیطان فی سنن الغی　ومن مال میله مثبور

اے بادشاہ کے رسول! جو میں نے کہا ہے میری زبان ان چاکوں کو رفو کر رہی ہے جو میں نے کیے، میں ہلاک ہونے والا ہوں، کیوں کہ میں سرکشی کے معاملات میں شیطان کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا، جو انسان اس کے میلان جیسا میلان رکھتا ہے وہ ہلاک ہونے والا ہے۔

بعض نے کہا: واحد بائر ہے اور جمع بور ہے جس طرح کہا جاتا ہے عائذ کی جمع عوذ، ھائد کی جمع ھود۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بورا کا معنی ہے حق سے اندھا۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جب معبود براءت کا اظہار کریں گے: جو تم کہتے تھے اس میں انہوں نے تمہاری تکذیب کر دی ہے یعنی تم جو یہ کہتے تھے: یہ معبود ہیں۔ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ یعنی یہ معبود نہ تو تم سے عذاب کو پھیر سکتے ہیں اور نہ ہی تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب معبودوں نے انہیں جھٹلایا تو یہ کچھ طاقت نہیں رکھیں گے۔ صَرْفًا یعنی عذاب کو دور کرنے اور لَا نَصْرًا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔

ابن زید نے کہا: معنی ہے اے مومنو! ان کفار نے اس کا انکار کر دیا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر بِمَا تَقُوْلُوْنَ کا معنی ہوگا جو تم حق کہتے ہو۔ ابو عبید نے کہا: معنی ہے جو تم کہتے ہو اس کو انہوں نے جھٹلا دیا وہ تمہیں اس حق سے پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ہے اور انہوں نے جو تمہیں جھٹلایا ہے اس کی وجہ سے جو عذاب ان پر نازل ہوگا اس بارے میں اپنی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ عام قراءت بِمَا تَقُوْلُوْنَ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے ہم نے اس کے معنی کی وضاحت کر دی ہے۔ فراء نے کہا: یہ قراءت کی جاتی ہے فقد کذبوکم بما یقولون یعنی مجرد کا صیغہ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے اور یہ خطاب شرک اپنانے والوں کو ہوگا جس نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے تو معنی ہوگا: فما یستطیع الشرکاء شرکاء طاقت نہیں رکھیں گے۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم میں سے جو شرک کرے پھر اس شرک پر مر جائے نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ہم آخرت میں اسے سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ (الاسراء) آیت میں کبیر کا معنی شدید ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝

''اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں، اور ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش، کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ مشرکوں کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے کہا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ کی عار دلائی اور کہا: مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے تو یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔ حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: السلام علیک یا رسول اللہ! اللہ جو تیرا رب ہے وہ تجھے سلام فرماتا ہے اور تجھے فرماتا ہے: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی وہ بھی دنیا میں معاش تلاش کیا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ جب خبر پر لام آگیا تو اِن میں کسرہ ہی ہوگا، اگر خبر پر لام نہ ہوتا تب بھی ان کے ہمزہ میں کسرہ کے سوا کوئی چیز جائز نہ ہوتی کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے، یہ تمام نحویوں کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: مگر علی بن سلیمان نے محمد بن زید سے یہ قول نقل کیا ہے اِن کے ہمزہ میں فتحہ بھی جائز ہے اگرچہ خبر پر لام ہو۔ میں اسے اس سے وہم گمان کرتا ہوں۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: کلام میں حذف ہے اس کا معنی ہے وما أرسلنا قبلك رسلا إلا إنهم ليأكلون الطعام پھر رسلا کو حذف کر دیا کیونکہ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں رسلا پر دلالت موجود ہے۔ زجاج کے نزدیک موصوف محذوف ہے اس کے نزدیک موصول کا حذف اور صلہ کو باقی رکھنا جائز نہیں، جس طرح فراء نے کہا۔ فراء نے کہا: محذوف من ہے معنی ہوگا إلا من إنهم ليأكلون الطعام اور اسے اس فرمان کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۝ (الصافات) اور اس فرمان کے ساتھ تشبیہ دی ہے وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71) تقدیر کلام یہ ہوگی ما منکم إلا من هو واردها، یہ کسائی کا بھی قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: ما بعثت إليك من الناس إلا من انه يعطيك میں نے تیری طرف لوگوں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر اسے جو تجھے عطا کرتا ہے۔ تیرا یہ قول: انه ليعطيك، من کا صلہ ہے۔ زجاج نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ من موصولہ کا حذف جائز نہیں ہوتا۔ اہل معانی نے کہا: معنی ہے وما أرسلنا قبلك من المرسلين إلا قيل إنهم ليأكلون ہم نے آپ سے قبل رسولوں کو نہیں بھیجا مگر یہ کہا گیا کہ وہ کھانا کھاتے ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (فصلت: 43) ابن انباری نے کہا: اِلَّا کے ان بعد کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور واؤ مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی الا وانهم۔ ایک فرقہ اسی طرف گیا ہے کہ ليأكلون الطعام حدث سے کنایہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنے معنی میں بلیغ ہے، اسی کی مثل یہ ارشاد ہے: مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدہ: 75)

وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ جمہور نے يمشون یاء کے فتحہ، میم کے سکون اور شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عوف اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے یاء کے ضمہ، میم کے فتحہ اور شین کی شد مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا انہیں بازار میں چلنے کی دعوت دی جاتی ہے اور برانگیختہ کیا جاتا ہے۔ ابو عبدالرحمن سلمی نے اسے یاء کے ضمہ، میم کے فتحہ اور شین مشددہ مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ يمشون کے معنی میں ہے۔

شاعر نے کہا:

أُمشی باعطان المباءة وأبتغی قلائص منها صعبة ورکوب

اس شعر میں مشی، مشی کے معنی میں ہے۔

کعب بن زہیر نے کہا:

منه تظل سباع الجو ضامرة ولا تمشی بوادیه الاراجیل

اس شعر میں بھی تُمشی، تمشی کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اسباب کو حاصل کرنے، تجارت، صنعت وغیرہ کے ذریعے طلب معاش میں اصل ہے، یہ معنی کئی مقام پر گزر چکا ہے، لیکن ہم یہاں ان میں سے وہ چیزیں ذکر کریں گے جو کفایت کر جائیں گی۔ ہم کہتے ہیں: میرے سامنے اس زمانے کے ایک شیخ نے جری کلام کرتے ہوئے یہ کہا: انبیاء علیہم السلام کو اس لیے مبعوث کیا گیا تاکہ ضعفاء کے لیے اسباب کی سنتیں قائم کریں۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا: یہ قول جاہلوں، غبیوں اور بے وقوف چرواہوں سے صادر ہو سکتا ہے یا اس آدمی سے صادر ہو سکتا ہے جو کتاب اور اعلیٰ سنت پر طعن کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اصفیاء، رسل اور انبیاء کے اسباب اور حرفوں کے بارے میں خبر دی ہے، اس کا ارشاد ہے اور اس کا قول حق ہے: وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (الانبیاء: 80) ارشاد فرمایا: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ علماء نے کہا: وہ تجارت کرتے ہیں اور پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جَعَلَ رِزْقِی تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِی میرا رزق نیزے کے سائے میں رکھ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا (الانفال: 69) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تجارت کرتے، حرفہ اختیار کرتے اور اپنے اموال میں محنت مزدوری کرتے، اور کفار میں سے جو ان کی مخالفت کرتے ان کے ساتھ جنگ کرتے۔ کیا تم انہیں کمزور خیال کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! وہ اقویاء تھے ان کے پیچھے صالح خلف ہیں جو ان کی اقتدا کرنے والے ہیں، ان کا اس میں طریقہ ہدایت دینے اور ہدایت لینے کا ہے۔ اس نے کہا: انہوں نے اس چیز کو اپنایا کیونکہ وہ اقتداء کے ائمہ تھے تو انہوں نے ضعفاء کے حق میں خود انہیں اپنایا جہاں تک اپنی ذات کے حق میں ہے تو یہ نہیں، اس کی وضاحت اصحاب صفہ میں موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ اس طرح ہوتا تو ان پر اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب ہوتا کہ اس کی وضاحت کریں جس طرح قرآن میں ثابت ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (النحل: 44) ارشاد فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰى (البقرہ: 159) یہ بینات وہدیٰ میں سے ہے، جہاں تک اصحاب صفہ کا تعلق ہے وہ تنگ حالی کے وقت اسلام کے مہمان تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کبھی صدقہ کا مال آتا تو آپ اس صدقہ میں انہیں خاص کرتے، جب کوئی ہدیہ آتا تو ان کے ساتھ بیٹھ کر اس ہدیہ کو تناول فرماتے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایندھن لاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کے لیے پانی لاتے۔ امام بخاری اور دوسرے علماء نے ان کے یہی اوصاف ذکر کیے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ان پر شہروں کو کھول دیا اور علاقے فتح کر دیئے تو انہیں امیر بنا دیا گیا اور اسباب کا حکم دیا گیا۔ پھر یہ قول اس

بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کمزور تھے کیونکہ فرشتوں کے ذریعے ان کی تائید کی گئی اور انہیں ثابت قدم کیا گیا، اگر وہ قوی ہوتے تو انہیں فرشتوں کی تائید کی ضرورت نہ ہوتی جب کہ ان کی تائید کامیابی کے اسباب میں سے ایک سبب تھا۔ ہم ایسے قول اور ایسی گفتگو جو اس تاویل کی طرف لے جائے، سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں بلکہ اسباب اور وسائط سے فائدہ اٹھانا اللہ کا حکم اور طریقہ ہے اور اس کے رسول کا حکم اور طریقہ ہے یہی حق مبین ہے اور صراط مستقیم ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حق: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال:60) ضعفاء پر محدود رہے گا اور تمام خطابات اسی طرح ہوں گے۔ قرآن حکیم میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا: اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (الشعراء:63) اللہ تعالیٰ عصا مارے بغیر بھی سمندر کو پھاڑ سکتا تھا، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو خطاب ہے: وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ (مریم:25) جب کہ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم دینے کے بغیر بھی کھجوریں گرانے پر قادر تھا، اس میں حضرت مریم کو کھجور کا تنا ہلانے اور اس مشقت کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس سب کے باوجود ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ کوئی ایسا آدمی ہو جس پر مہربانی کی جاتی ہو، اس کی مدد کی جاتی ہو، اس کی دعا قبول کی جاتی ہو یہ خاص طور پر اسے کرامت سے نوازا جاتا ہو یا کسی اور وجہ سے ایسا ہو اس وجہ سے قواعد کلیہ اور امور جمیلہ کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ ایسی بات کہنے سے دور ہو جا، دور ہو جا، ایسی بات نہ کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ۝ (الذاریات) ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول کریم نے سچ فرمایا۔ علماء تاویل کے اجماع کے مطابق یہاں رزق سے مراد بارش ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا (غافر:13) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ۝ (ق) یہ مشاہدہ نہیں کیا گیا کہ مخلوق پر آسمان سے روٹیوں کے طبق اور گوشت کے پیالے نازل ہوں بلکہ اس کے وجود میں اسباب اصل ہیں اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اطلبوا الرزق فی خبایا الأرض مراد ہے تم زمین میں ہل چلانے، اسے کھودنے (گوڈی کرنے) اور درخت لگانے کے ذریعے رزق تلاش کرو، بعض اوقات کسی شی کا نام انجام اور عاقبت کے اعتبار سے رکھا جاتا ہے بارش کو رزق کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ بارش کے ذریعے رزق حاصل ہوتا ہے، کلام عرب میں یہ مشہور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لأن یأخذ أحدکم حبله فیحتطب علی ظهره خیرله من أن یسأل احدا أعطاہ أو منعه تم میں سے کوئی اپنی رسی لے اور اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے چاہے وہ اسے دے یا اس کا سوال رد کر دے، یہ حکم اس کے بارے میں بھی ہے جو بغیر مشقت کے کام ہو جاتا ہے خواہ وہ گھاس ہو یا لکڑیاں ہوں۔

اگر کسی کے لیے پہاڑوں میں رہنا مقدر کر دیا جائے جب کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہو تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ ان چیزوں کے لیے نکلے جو ٹیلے اور پہاڑوں کی چوٹیاں اگاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان سے ایسی چیزیں حاصل کرے جن کے ساتھ وہ زندگی بسر کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہی معنی ہے: لو أنکم کنتم توکلون علی اللہ حق توکله لرزقتم کما ترزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق

ہے تو تمہیں بھی اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے تم خالی پیٹ صبح نکلو گے اور بھرے پیٹ شام کو واپس لوٹو گے۔ اس کا صبح جانا اور شام کو لوٹنا یہی سبب ہے، اس آدمی پر بہت زیادہ تعجب ہے جو اسباب سے لاتعلقی اور یقینی توکل کا دعوی کرتا ہے وہ راستہ کی پگڈنڈیوں پر جا بیٹھتا ہے صراط مستقیم اور واضح راستہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ثابت ہے کہ اہل یمن حج کیا کرتے تھے اور زادراہ نہ لیتے اور وہ کہتے: ہم توکل کرتے ہیں، جب وہ آتے تو لوگوں سے سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا: وَتَزَوَّدُوْا (البقرہ: 197) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ وہ زادراہ کے بغیر سفر پر نکلے ہوں جب کہ وہ یقینی طور پر توکل کرنے والے تھے۔ توکل کا معنی یہ ہے دل کا رب العالمین پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اس کے بکھرے امر کو جمع کر دے گا اور اس کی ضرورت پوری فرما دے گا پھر وہ امر کی بنا پر اسباب کو کام میں لائے، یہی حق ہے۔ ایک آدمی نے امام احمد بن حنبل سے سوال کیا، عرض کی: میں توکل کے قدم پر حج کا ارادہ رکھتا ہوں۔ فرمایا: تنہا نکلو۔ اس نے کہا: نہیں مگر لوگوں کے ساتھ۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: پھر تو تو ان کی تھیلیوں پر توکل کرنے والا ہوگا۔ ہم نے اسے کتاب قمع الحرص بالزهد والقناعة ورد ذل السوال بالكسب والصناعة میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حب البلاد الی اللہ مساجدها وأبغض البلاد الی اللہ أسواقها اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب جگہیں مساجد ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔ بزار نے حضرت سلیمان فارسی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تو طاقت رکھے تو تو پہلا شخص نہ ہو جو بازار میں داخل ہوتا ہے اور تو آخری شخص نہ ہو جو اس سے نکلتا ہے کیونکہ یہ شیطان کا معرکہ ہے وہاں ہی اس کے جھنڈے گاڑے جاتے ہیں''۔ ابو بکر برقانی نے مسند طریقہ سے ابو محمد عبد الغنی بن سعید حافظ سے (عاصم کی روایت سے) وہ ابو عثمان نہدی سے وہ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو بازار میں داخل ہونے والا پہلا شخص نہ ہو اور اس سے نکلنے والا آخری شخص نہ ہو، یہاں شیطان نے انڈے دیئے اور بچے نکالے''۔ ان احادیث میں ایسے دلائل ہیں جو بازاروں میں داخل ہونے کی کراہت پر دال ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں جس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے؛ ہمارے علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ جب بازاروں میں باطل بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور منکرات عام ہو گئے ہیں ارباب فضل اور دین کے امور میں جن کی اقتدا کی جاتی ہے ان کے لیے بازار میں داخل ہونا مکروہ ہے تاکہ انہیں ایسی جگہوں سے دور رکھا جائے جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ بازار میں جانے کے ساتھ آزمائے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل میں یہ خیال لائے کہ وہ شیطان کے محل اور اس کے لشکروں کی جگہ میں داخل ہو چکا ہے اور یہ خیال لائے کہ اگر وہ ٹھہرا رہا تو ہلاک ہو جائے گا جس کی حالت یہ ہو تو وہ صرف ضرورت تک وہیں رہے اور اس کے برے انجام سے بچے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازار کو معرکہ سے تشبیہ دینا بہت اچھی تشبیہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معرکہ قتال کی

جگہ ہے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے جوانمرد معرکہ آرا ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو پچھاڑتے ہیں۔ بازار، اس میں شیطان کے فعل، شیطان ان بازار والوں سے جو حصہ پاتا ہے اس طریقہ پر کہ بازار والوں کے مکر، دھوکہ، بیوع فاسدہ میں تسابل، جھوٹ، جھوٹی قسموں پر ابھارنے، آوازوں کے خلط ملط ہونے اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں ان سب کو جنگ کے معرکہ اور اس میں جن کو پچھاڑا جاتا ہے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ ابن عربی نے کہا: کھانا کھانا یہ مخلوق کی ضرورت ہے اس میں کوئی عار نہیں اور نہ اس میں کوئی عیب ہے، جہاں تک بازاروں کا تعلق ہے تو میں نے اہل علم کے مشائخ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں: وہ کتابوں اور اسلحہ کے بازار کے علاوہ میں داخل نہ ہو۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ ضرورت کے وقت ہر بازار میں داخل ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی چیز نہ کھائے کیونکہ یہ عمل مروت کو ختم کرتا ہے اور حشمت کو گرا دیتا ہے۔ احادیث موضوعہ (1) میں ہے: بازار میں کھانا کمینگی ہے۔

میں کہتا ہوں: اہل علم مشائخ نے جو کہا ہے وہ کتنا اچھا ہے کیونکہ اس میں عورتوں کو دیکھنے اور ان کے ساتھ مخالطت سے بچاؤ ہوتا ہے کیونکہ ان بازاروں میں انہیں حاجت نہیں ہوتی جہاں تک کتابوں اور اسلحہ کے بازاروں کے علاوہ بازار ہیں وہ عورتوں سے بھرے ہوتے ہیں اور حیاء کی کمی ان پر غالب آ چکی ہے، یہاں تک کہ عورتوں کو اپنی زینتوں میں عیاں دیکھا جاتا ہے ہمارے زمانہ میں یہ برائی عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہم اس کی پناہ مانگتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں حماد بن زید سے روایت نقل کی ہے وہ عمرو بن دینار قہرمان آل زبیر سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عمر بن خطاب بنائیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جو آدمی ان بازاروں میں سے کسی بازار میں داخل ہوا اس نے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے اور جنت میں اس کے لیے محل بنا دیتا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور آخر میں کچھ اضافہ کیا ہے: اس سے دس لاکھ برائیاں مٹا دیتا ہے اور دس لاکھ درجے بلند کر دیتا ہے اور جنت میں اس کے لیے گھر بنا دیتا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس صورت میں ہو گا جب اس نے اس جگہ اس کے سوا کا قصد نہ کیا ہو کہ وہ طاعت کے ساتھ اس جگہ کو آباد کرے کیونکہ اسے معصیت کے ساتھ آباد کیا جاتا ہے، اسے ذکر کے ساتھ آراستہ کرے کیونکہ غفلت کے ساتھ اسے معطل کر دیا گیا ہے تاکہ وہ جاہلوں کو علم سکھائے اور بھولنے والوں کو یاد دلائے۔

مسئلہ نمبر 8۔ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ أَتَصْبِرُونَ بے شک دنیا دار ابتلاء اور دار الامتحان ہے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ بعض بندوں کو بعض بندوں کے لیے آزمائش بنائے یہ تمام لوگوں میں ہے وہ مومن ہو یا کافر ہو، صحیح، مریض کے لیے آزمائش ہے، غنی، فقیر کے لیے فتنہ ہے، صابر فقیر غنی کے لیے فتنہ ہے (2)۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے ساتھی کے

1۔ اس حدیث کو [illegible] سے روایت کیا ہے اور سیوطی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
2۔ المحرر الوجیز

ساتھ آزمایا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ اس سے حسد نہ کرے اور اس سے نہ لے مگر وہ جو اسے عطا کرے اور ہر ایک حق پر صابر رہے جس طرح ضحاک نے اَتَصۡبِرُوۡنَ کا معنی کرتے ہوئے کہا: ''کیا تم حق پر صبر نہیں کرتے''۔ مصیبت زدہ لوگ کہتے ہیں: ہم کو عافیت اور سلامتی کیوں نہیں دی جاتی؟۔ اندھا کہتا ہے: مجھے بینا کیوں نہیں بنایا گیا؟ اسی طرح ہر آفت زدہ آدمی کہتا ہے: رسول جسے نبوت کی کرامت کے ساتھ نوازا گیا ہے یہ اس کے زمانہ کے کفار کے اشراف کے لیے فتنہ ہوتا ہے، اسی طرح علماء اور عادل حکام ہیں۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور و فکر نہیں کرتا لَوۡ لَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ۝ (الزخرف) فتنہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ، عافیت والے سے حسد کرے اور عافیت والا مصیبت زدہ کو حقیر جانے، صبر یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے نفس کو روکے، یہ تکبر سے اور وہ دل کی تنگی سے۔ اَتَصۡبِرُوۡنَ اس کا جواب محذوف ہے یعنی ام لا تصبرون یہ جواب کا مقتضی ہے جس طرح مزنی نے کہا: اسے فاقہ نے گھر سے نکالا اس نے مراکب اور مناکب میں ایک خصی کو دیکھا اس کے دل میں خیال آیا تو اس نے ایک آدمی کو آیت پڑھتے ہوئے سنا: اَتَصۡبِرُوۡنَ اس نے کہا: کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم صبر کریں گے اور اجر کی امید رکھیں گے۔ ابن قاسم جو امام مالک کے شاگرد تھے انہوں نے اس آیت کو پڑھا جب انہوں نے اشہب بن عبد العزیز کو اس کی مملکت میں ان پر گزرتے ہوئے دیکھا پھر اپنے نفس کو اس قول کے ساتھ جواب دیا: سنصبر، ہم صبر کریں گے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''عالم کے لیے جاہل کی ہلاکت ہے، جاہل کے لیے عالم کی ہلاکت ہے، مالک کے لیے مملوک کی ہلاکت ہے، سلطان کے لیے رعیت کی ہلاکت ہے اور رعیت کے لیے سلطان کی ہلاکت ہے ہر ایک دوسرے کے لیے فتنہ ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے: وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ''ثعلبی نے اسے مسند ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

مقاتل نے کہا: یہ آیت ابو جہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط، عتبہ بن ربیعہ اور نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے حضرت ابو ذر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عمار، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت سالم جو حضرت ابو حذیفہ کے غلام تھے، حضرت مجمع جو حضرت عمر بن خطاب کے غلام تھے اور حضرت جبر جو حضرت حضرمی کے غلام تھے اور ان جیسے اصحاب کو دیکھا تو استہزاء کے انداز میں کہا: کیا ہم اسلام قبول کریں اور ان لوگوں کی مثل ہو جائیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اَتَصۡبِرُوۡنَ کیا تم یہ سخت حالت اور فقر کو دیکھتے ہوئے اس پر صبر کرتے ہو؟ اَتَصۡبِرُوۡنَ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ان افراد کے ساتھ خاص ہے جو حق پر قائم تھے، گویا کفار کو مہلت اور ان پر رزق کی فراوانی یہ مومنوں کے لیے آزمائش تھی، جب مسلمانوں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا (المومنون: 111)

مسئلہ نمبر 9۔ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ہر انسان کو دیکھنے والا ہے وہ صبر کرے یا جزع وفزع کرے جو ایمان لائے یا ایمان نہ لائے اور جو اپنے قرض کو ادا کرے یا ادا نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَتَصۡبِرُوۡنَ کا معنی ہے تم صبر کرو، جس طرح

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ) یعنی تم رک جاؤ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝

"اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو، وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لیے اور فرشتے کہیں گے: تمہارے لیے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے"۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وہ ارادہ کرتا ہے وہ دوبارہ اٹھائے جانے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے نہیں ڈرتے یعنی وہ اس چیز پر ایمان نہیں رکھتے، شاعر نے کہا:

اذا لسعته النحل لم یرج لسعها

جب شہد کی مکھیاں اس کو ڈنگ ماریں تو اس کے ڈنگ کا خوف نہیں کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَرْجُوْنَ کا معنی ہے وہ پرواہ نہیں کرتے، شاعر نے کہا:

لعمرك ما أرجو إذا كنتُ مسلمًا   على أي جنب كان في الله مصرعي

تیری زندگی کی قسم! جب میں مسلمان ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر میری موت کس پہلو پر واقع ہوتی ہے۔

ابن شجرہ نے کہا: وہ امید نہیں رکھتے، شاعر نے کہا:

أترجو أمةٌ قتلتْ حُسينا   شفاعة جده يوم الحساب

کیا وہ لوگ جنہوں نے امام عالی مقام کو شہید کیا تھا وہ قیامت کے روز آپ کے نانا کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں؟

لَوْلَاۤ اُنْزِلَ کیوں نہ نازل کیے گئے عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ ہم پر فرشتے جو خبر دیتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا یا اپنے رب کو عیاں دیکھتے جو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر دیتا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۝ (الاسراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۝ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی بات کا سوال کیا جو حقیقت سے بہت بعید تھی، کیونکہ فرشتوں کو نہیں دیکھا جا سکتا مگر موت کے وقت اور نزول عذاب کے وقت۔ اللہ تعالیٰ کا احاطہ آنکھیں نہیں کر سکتیں اللہ تعالیٰ کی ذات آنکھوں کا احاطہ کر سکتی ہے کوئی ایسی آنکھ نہیں جو اسے دیکھے۔ مقاتل نے کہا: عتوا سے مراد ہے زمین میں

غضب۔ عتو شدید ترین کفر اور سخت ظلم ہے۔ جب معجزات انہیں کفایت نہیں کرتے تو فرشتے انہیں کیسے کفایت کریں گے جب کہ وہ فرشتوں اور شیاطین کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتے۔ ان کے لیے ایک ایسے معجزہ کا ہونا ضروری ہے جو معجزہ وہ آدمی قائم کرے جو یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے۔ اس قوم کو معجزہ کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں جنہوں نے معجزہ دیکھ لیا تھا۔

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ اس سے یہ ارادہ کیا کہ فرشتوں کو کوئی نہیں دیکھتا مگر موت کے وقت ہی انہیں دیکھتا ہے، وہ مومنوں کو جنت کی بشارت دیتے ہیں، مشرکوں اور کفار کو لوہے کے ہنٹر مارتے ہیں یہاں تک کہ ان کی روحیں نکل آتی ہیں۔

وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یہ ارادہ کیا ہے کہ فرشتے کہتے ہیں: حرام کر دیا گیا ہے کہ جنت میں کوئی داخل ہو مگر یہ کہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے، شرعی احکام کو بجالائے، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قیامت کا دن ہے؛ یہ مجاہد اور عطیہ عوفی کا قول ہے۔ عطیہ نے کہا: جب قیامت کا دن ہوگا تو مومن کو خوشخبری دیتے ہوئے ملاقات کی جائے گی۔ جب کافر یہ دیکھے گا تو اس کی تمنا کرے گا تو وہ فرشتے کو نہیں دیکھے گا۔ یَوْمَ یَرَوْنَ کو نصب تقدیر کلام کی وجہ سے دی گئی ہے وہ یہ ہے لا بشری یوم یرون الملائکۃ۔

یَوْمَىِٕذٍ یہ یَوْمَ یَرَوْنَ کی تاکید ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز نہیں کہ یَوْمَ یَرَوْنَ، بُشْرٰى کی وجہ سے منصوب ہو کیونکہ جو نفی کے حکم میں ہو وہ ماقبل میں عمل نہیں کرتا لیکن اس میں تقدیر یہ ہے کہ معنی ہو جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو انہیں بشارت سے روک دیا جائے گا۔ یَوْمَىِٕذٍ تاکید ہے، اس کا یہ معنی کرنا بھی جائز ہے کہ اس دن کو یاد کرو جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے۔ پھر ابتدا کی اور ارشاد فرمایا: لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا فرشتے کہیں گے: قطعی حرام ہے یعنی بشارت صرف مومنوں کے لیے ہے، شاعر نے کہا:

الا اصبحت اسماء حجرا محرما

یہاں یہ ارادہ کیا ہے، خبردار اسماء قطعی حرام ہوگئی۔

ایک اور شاعر نے کہا:

حنت الی النخلۃ القصوی فقلت لها حجر حرام الا تلک الا ھاریس

اس میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے فرمایا: وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا یہ مجرموں کے قول سے ہے اور اس پر وقف ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَّحْجُوْرًا یعنی انہیں پناہ دیئے جانے سے روک دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز اسے ان پر روک دیا، پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، فراء نے بھی یہی کہا ہے، یہ ابن انباری نے کہا۔ حضرت حسن بصری اور رجاء نے حُجرا پڑھا ہے جب کہ دوسرے علماء نے اسے کسرہ کے ساتھ حجرا پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے قول میں سے ہے انہوں نے یہ قول اپنی ذاتوں سے کیا، یہ قتادہ نے کہا، جو ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کا قول ہے جو انہوں نے

ملائکہ سے کیا۔ یہ پناہ مانگنے کے لیے لفظ استعمال ہوتا ہے یہ دور جاہلیت میں معروف تھا، جب کوئی آدمی کسی ایسے آدمی سے ملتا جس سے وہ خوف محسوس کرتا تو کہتا حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی مجھ سے تعرض کرنا تیرے لیے حرام ہے۔ اس کا سبب اس کے بعد معنی کا اعتبار کرتے ہوئے دی گئی ہے حجرتُ علیك، حجر اللّٰهُ علیك۔ جس طرح تو کہتا ہے: سقیا و رعیا یعنی مجرم ان فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ مجرموں کو جہنم میں پھینکتے ہیں تو وہ کہیں گے: نعوذ باللّٰه منکم ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ قشیری نے اس کا ذکر کیا، مہدوی نے مجاہد سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حِجْرًا مجرموں کا قول ہے مَّحْجُوْرًا یہ ملائکہ کا قول ہے یعنی وہ فرشتوں سے کہیں گے: ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے چھیڑ چھاڑ کرو۔ فرشتے کہیں گے: مَّحْجُوْرًا تم کو اس امر سے روک دیا گیا ہے کہ تم اس دن کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو، یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

وَ قَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝

”اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانہ ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی“۔

وَ قَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ یہ تو قیامت کے عظیم الشان ہونے پر تنبیہ ہے یعنی ہم نے اس دن قصد کیا ان اعمال کی طرف جنہیں مجرم اپنے طور پر اچھے عمل کے طور پر کرتے رہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے قدم فلان الی امر کذا یعنی اس کا قصد کیا۔ مجاہد نے کہا: قدمنا یعنی ہم نے قصد کیا، راجز نے کہا:

وقدم الخوارج الضلال إلى عباد ربهم فقالوا
إن دماءكم لنا حلال

گمراہ خارجیوں نے اپنے رب کے بندوں کا قصد کیا اور کہا: تمہارے خون ہمارے لیے حلال ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فرشتوں کا آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فعل کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے کیونکہ فرشتوں کا آنا بھی اس کے حکم سے ہوتا ہے۔

فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا یعنی ہم نے کفر کے ساتھ اسے باطل کر دیا۔ هباء ہمزہ والے حروف میں سے نہیں، اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہمزہ آیا ہے، اس کی تصغیر هُبَيّ ہے، یہ رفع کے محل میں ہے نحویوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں: هُبَيّ یہ رفع کے محل میں ہے؛ نحاس نے اسے بیان کیا ہے۔ اس کی واحد هباة ہے جمع اهباء آتی ہے۔ حارث بن حلزہ اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

فترى خلفها من الرجع والوقع منينا كأنه اهباء

تو اس اونٹنی کے ٹانگوں کے واپس آنے اور پاؤں کے پڑنے پر باریک غبار دیکھے گا گویا وہ هباء ہے۔

حارث نے حضرت علی شیر خدا سے روایت نقل کی ہے کہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا سے مراد سورج کی وہ شعاع ہے جو کسی سوراخ

سے داخل ہوتی ہے۔ ازہری نے کہا: هَبَآءً سے مراد وہ چیز ہے جو سورج کی روشنی میں اس سوراخ سے نکلتی ہے جو غبار کے مشابہ ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا یہاں تک کہ وہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کے قائم مقام ہو گئے جہاں تک هباء المنبث کا تعلق ہے اس سے مراد وہ غبار ہے جسے گھوڑے اپنے سموں کے ساتھ اڑاتے ہیں، منبث کا معنی بکھرا ہوا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: هبوة اور هباء سے مراد باریک مٹی ہے۔ جوہری نے کہا: جب وہ بلند ہو تو کہا جاتا ہے: هبا، يهبو هبوا و أهبيته أنا، هبوة کا معنی غبار ہے۔

موضع هابى التراب ایسی جگہ گویا اس کی مٹی باریکی میں هباء کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے خشک پتوں میں سے جسے ہوائیں بکھیر دیتی ہیں؛ یہ قتادہ اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: اس سے مراد بہایا گیا پانی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد راکھ ہے؛ یہ عبید بن یعلی کا قول ہے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝۲۴

اس کے بارے میں گفتگو قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ نحاس نے کہا: کوفہ کے علماء اس قول کو جائز سمجھتے ہیں: العسل أحلى من الخل یہ قول مردود ہے کیونکہ فلاں خير من فلان کا معنی ہے فلاں فلاں سے خیر میں زیادہ ہے جب کہ سرکہ میں تو کوئی مٹھاس نہیں ہوتی۔ یہ کہنا جائز نہیں النصرانى خير من اليهودى کیونکہ دونوں میں کوئی خیر نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک خیر میں دوسرے سے بڑھ کر ہو، لیکن یہ کہنا درست ہوگا اليهودى شر من النصرانى، اس معنی میں عربوں کا کلام ہے۔ مُّسْتَقَرًّا اس کو ظرف کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے جب اسے افعل منك سے مقدر نہ مانا جائے۔ معنی ہوگا اس کے لیے مستقر میں خیر ہے جب یہ افعل منك کے باب سے ہو تو مستقرا بیان کے طریقہ پر منصوب ہوگا؛ یہ نحاس اور مہدوی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا بہترین منزل اور بہترین ٹھکانہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہی مقیل ہے، عرب جسے جانتے پہچانتے ہیں وہ نصف النہار کا قیلولہ ہے۔ اسی معنی میں مرفوع حدیث ہے: إنّ الله تبارك و تعالى يفرغ من حساب الخلق فى مقدار نصف يوم فيقيل أهل الجنة فى الجنة وأهل النار فى النار، (1) اللہ تعالیٰ نصف دن کی مقدار میں مخلوقات کے حساب سے فارغ ہو جائے گا تو اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں قیلولہ کریں گے؛ مہدوی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قیامت کے روز دنیا کا نصف النہار نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ جنت میں اور یہ جہنم میں قیلولہ کریں گے۔ پھر یہ پڑھا: ثم ان مقيلهم لإلى الجحيم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ اسی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس معنی میں وہ روایت ہے قيلوا فان الشياطين لا تقيل، تم قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔ قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فى يوم كان مقداره خمسين ألف سنة میں نے عرض کی: یہ دن کتنا ہی طویل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ مومن پر خفیف ہو

1۔ تفسیر طبری

گا یہاں تک دنیا میں وہ جتنے وقت میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی خفیف ہوگا''۔

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۝

''اور یاد کرو جس روز پھٹ جائے گا آسمان اور بادل نمودار ہوگا اور اتارے جائیں گے فرشتے گروہ در گروہ۔ اس دن سچی بادشاہی (خداوند) رحمن کی ہوگی اور دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہوگا''۔

وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ اس دن کو یاد کرو جب آسمان بادلوں کی صورت میں پھٹ جائے گا۔ عاصم، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور ابوعمرو نے تشقق شین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، اصل میں تتشقق تھا پہلی تاء کو تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا؛ ابوعبید نے اسے پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے تشقق شین کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ سورۂ ''ق'' میں بھی اسی طرح ہے۔ بِالْغَمَامِ سے مراد عن الغمام ہے۔ باء اور عن ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جس طرح تو کہتا ہے: رميتُ بالقوسِ، رميتُ عن القوس۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ آسمان سفید پتے بادلوں کی صورت میں پھٹ جائے گا جس طرح کہر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے تیہ کے ریگستان میں ایسا ہی ہوا، آسمان اس بادل کی صورت میں پھٹ جائے گا اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرہ:210)

وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ آسمان سے فرشتے نازل کیے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فیصلہ کے لیے ان آٹھ فرشتوں کے جلو میں جلوہ گر ہوگا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اس طریقہ پر جس پر اس کے آنے کو محمول کیا جا سکتا ہے، نہ اس طریقہ پر جس پر مخلوقات کے آنے کو محمول کیا جاتا ہے جس میں حرکت اور انتقال کی صورت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمان دنیا پھٹے گا تو اس کے مکیں اتریں گے زمین میں جتنے جن و انس ہیں وہ فرشتے ان سے زیادہ ہوں گے پھر دوسرا آسمان پھٹے گا تو اس کے مکین اتریں گے وہ اس سے زیادہ ہوں گے جتنے آسمان دنیا میں تھے، پھر اسی طرح ساتواں آسمان پھٹے گا، پھر مقرب فرشتے اتریں گے اور عرش کو اٹھانے والے فرشتے اتریں گے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا کا یہی معنی ہے یعنی جن و انس کے حساب کے لیے آسمان سے زمین کی طرف فرشتے اتریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان پھٹ جائے گا اس بادل کی صورت میں جو لوگوں اور آسمان کے درمیان میں ہے تو بادل پھٹ جائے سے آسمان کے پھٹ جائے گا۔ جب آسمان پھٹ جائے گا تو اس کا اتصال ختم ہو جائے گا، اسے لپیٹ دیا جائے گا اور فرشتے اس کے علاوہ مکان کی طرف اتریں گے۔

ابن کثیر نے وننزل الملائکۃ نصب کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے نُزِّل الملائکۃ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کی دلیل تَنْزِيْلًا ہے اگر پہلے قول کے مطابق ہوتا تو انزال کہتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نزل اور انزل کا معنی ایک ہی ہے۔ تنزیلا، نزل کی بنا پر آیا ہے۔ عبدالوہاب نے ابوعمرو سے قرأت

نقل کی ہے وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ تَنْزِیْلًا حضرت ابن مسعود نے وأُنْزِلَ الملائكةُ، حضرت ابی بن کعب نے وَنُزِّلَتْ الملائكةُ قراءت کی ہے ان سے وتنزلت الملائكة بھی مروی ہے۔

اَلْمُلْكُ یَوْمَىِٕذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ، اَلْمُلْكُ مبتدا ہے اَلْحَقُّ اس کی صفت ہے لِلرَّحْمٰنِ اس کی خبر ہے کیونکہ ایسی ملکیت جو زائل ہو جائے اور ختم ہو جائے وہ ملک نہیں، اس روز مالکوں کی ملکیتیں ختم ہو جائیں گی ان کے دعوے منقطع ہو جائیں گے۔ ہر بادشاہ کی بادشاہت اور حکومت زائل ہو جائے گی صرف حقیقی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی رہ جائے گی۔

وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا کافروں پر وہ دن بڑا سخت ہوگا، کیونکہ وہ ہولناکیاں پائیں گے اور انہیں حزن اور ذلت لاحق ہوگی۔ وہ دن مومنوں پر فرض نماز سے بھی خفیف ہوگا جس طرح حدیث میں پہلے گزر چکا ہے۔ یہ آیت اس پر دال ہے کیونکہ کافروں پر جب مشکل ہے تو وہ مومنوں پر آسان ہوگا۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے عَسِرَ یَعْسَرُ عَسَرَ، یَعْسُرُ۔

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا۝ یٰوَیْلَتٰى لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا۝۲۸ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۝۲۹

''اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا: کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد، اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے''۔

وَ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى یَدَیْهِ ماضی عضِضت ہے کسائی نے عضَضت پہلی ضاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ اہل تفسیر سے یہ وضاحت آئی ہے، مفسرین سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن مسیب ہیں کہ یہاں ظالم سے مراد عقبہ بن ابی معیط اور اس کا دوست امیہ بن خلف ہے۔ عقبہ کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، اس نے عرض کی: کیا میں دوسرے کے بغیر قتل کیا جاؤں گا؟ فرمایا: تیرے کفر اور تیری سرکشی کے باعث تجھے قتل کیا جائے گا۔ اس نے عرض کی: بچوں کے لیے کوئی ہے؟ فرمایا: آگ۔ حضرت علی شیر خدا اٹھے اور اسے قتل کر دیا۔ امیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے بارے میں خبر دی تھی تو دونوں کو کفر کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ آیت میں ان دونوں کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ فائدہ میں یہ زیادہ بلیغ ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ظالم کا راستہ ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہوئے کسی اور کی بات کو قبول کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: عقبہ نے اسلام لانے کا ارادہ کیا، ابی بن خلف نے اسے اس سے منع کیا وہ دونوں گہرے دوست تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو قتل کیا۔ عقبہ غزوۂ بدر کے موقع پر انتقام لینے کے لیے قتل

کیا گیا اور ابی بن خلف غزوہ احد کے موقع پر دعوت مبارزت میں قتل ہوا، قشیری اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پہلا قول نحاس نے ذکر کیا ہے۔

سہیلی نے کہا: وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے وہ امیہ بن خلف جمحی کا دوست تھا یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ وہ ابی بن خلف جمحی کا دوست تھا جو امیہ کا بھائی تھا۔ عقبہ نے ولیمہ کی دعوت کی اس نے قریش کو دعوت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے میں اس وقت تک شریک ہونے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرے۔ عقبہ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کی دعوت میں قریش کے سرداروں میں سے کوئی نہ آئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور زبان سے شہادتین کو ادا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے آئے اور اس کا کھانا کھایا۔ اس کے دوست امیہ بن خلف نے عقبہ کو ملامت کی یا ابی بن خلف نے ملامت کی جو اس وقت موجود نہ تھا۔ عقبہ نے کہا: میں نے اس امر کو عظیم خیال کیا کہ میرے کھانے میں قریش کے اشراف میں سے کوئی غیر حاضر ہو۔ اس کے دوست نے اسے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا یہاں تک کہ تو لوٹے، ان کے چہرے پر تھوکے اور ان کی گردن کو روندے اور تو یہ کہے: اللہ کے دشمن نے وہ سب کچھ کیا جو اس کے دوست نے اسے کہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ۔ ضحاک نے کہا: جب عقبہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھوکنا چاہا تو تھوک اس کے اپنے چہرے کی طرف لوٹ آئی اور اس کے چہرے اور اس کے ہونٹوں کو جلا دیا، یہاں تک کہ اس کے چہرے پر نشان چھوڑا اور اس کے رخساروں کو جلا دیا۔ اس کے چہرے پر وہ نشان باقی رہا یہاں تک کہ وہ قتل ہوا۔ عضہ یدیہ یہ غمگین اور شرمندہ کا فعل ہے کیونکہ اس نے اپنے دوست کی اطاعت کی۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا وہ کہے گا: ہائے کاش! میں نے دنیا میں رسول اللہ کی اتباع اپنا کر جنت کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

يٰوَيْلَتٰى ہلاکت اور ویل کی بددعا ہے جو اس نے کافر کی دوستی اختیار کی تھی اور اس کی متابعت کی تھی۔

لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا فلاں سے مراد امیہ ہے، کنایۃً اس کا ذکر کیا ہے صراحۃً ذکر نہیں کیا تاکہ یہ وعدہ اسی کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ جو بھی ان جیسا عمل کرے ان کو شامل ہو۔ مجاہد اور ابو رجاء نے کہا: ظالم، ہر ظالم میں عام ہے ''فلان'' سے مراد شیطان ہے؛ اس قول کے کرنے والے نے مابعد ارشاد سے استدلال کیا ہے: وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

حضرت حسن بصری نے اسے یا ویلتی پڑھا ہے، سورۂ ہود میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الخلیل سے مراد صاحب اور صدیق ہے، اس کی وضاحت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ نادم یہ کہے گا: جس کو میں نے دنیا میں دوست بنایا ہے اس نے مجھے قرآن اور اس پر ایمان لانے سے گمراہ کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَنِ الذِّكْرِ سے مراد عن الرسول ہے۔

وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، یہ ظالم کے قول کی حکایت نہیں

اور کلام بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ پر مکمل ہو جائے گی۔ خذل کا معنی اعانت کو ترک کرنا ہے، اسی سے ہے ابلیس نے مشرکوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جب وہ مشرکوں کے سامنے سراقہ بن مالک کی صورت میں ظاہر ہوا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا تو ان سے براءت کر دی۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے روکے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی اطاعت کی جائے تو وہ انسان کا شیطان ہے جب عذاب اور آزمائش نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ بے یار و مددگار ہوتا ہے، جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

أصحبُ خیار الناس حیث لقیتُهم خیر الصحابة من یکون عفیفا

والنّاس مثل دراهم میزتُها فوجدتُ منها فضةً وزیوفا

میں بہترین لوگوں کی سنگت اختیار کرتا ہوں جہاں بھی میں انہیں ملتا ہوں، بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو پاک دامن ہو۔ لوگ دراہم کی طرح ہیں جن کی میں نے پرکھ کی تو میں نے ان میں سے کچھ چاندی اور کچھ کھوٹے پائے۔

صحیح میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنما مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك إمّا أن یحذیك وإمّا أن تبتاع منه وإمّا أن تجد ریحا طیبة ونافخ الکیر إمّا أن یحرق ثیابك وإمّا أن تجد ریحا خبیثة (1)

صالح دوست اور برے دوست کی مثال خوشبو بیچنے والے اور بھٹی والے کی سی ہے خوشبو بیچنے والا یا تو عطا کر دے گا یا تو اس سے خرید لے گا یا تو عمدہ خوشبو پائے گا اور بھٹی والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو بدبو پائے گا؛ الفاظ مسلم کے ہیں۔ ابو داؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ابو بکر بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! ہمارے ساتھیوں میں سے کون سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: "جس کا دیدار تمہیں اللہ تعالیٰ یاد دلا دے، اس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کر دے اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلا دے"۔ مالک بن دینار نے کہا: اگر تو نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھائے تو یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تو فجار کے ساتھ حلوہ کھائے اور یہ شعر پڑھا:

وصاحبْ خیارَ النّاس تنج مسلما وصاحبْ شرارَ النّاس یوما فتندما

اچھے لوگوں کے ساتھ سنگت اختیار کر تو سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے گا اور برے لوگوں کے ساتھ سنگت اختیار کر تو کسی روز ضرور شرمندہ ہوگا۔

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا ۝

"اور رسول عرض کرے گا: میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور (اے حبیب) اسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کے دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے، اور کافی ہے آپ کا رب (آپ کے لیے) منزل مقصود تک پہنچانے والا اور مدد فرمانے والا"۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب من یؤمر ان یجالس، حدیث 4191، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ رسول اللہ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں: اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا کفار نے قرآن حکیم کے بارے میں ناحق بات کی تھی کہ یہ جادو ہے، یہ شعر ہے، یہ مجاہد اور نخعی سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَهْجُوْرًا کا معنی متروک ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ کے ساتھ تسلی دی، جس طرح اے محمد! ہم نے مشرکوں میں سے آپ کے دشمن بنائے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں وہ ابو جہل تھا۔ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ان کی قوم کے مشرکوں کو ان کا دشمن بنا دیا، پس میرے حکم پر صبر کیجئے جس طرح انہوں نے صبر کیا، بے شک میں تجھے ہدایت دینے والا ہوں اور جو بھی تیرے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اس کے خلاف تیری مدد کرنے والا ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ کا قول: یٰرَبِّ یہ قیامت کے روز ہوگا، یعنی انہوں نے قرآن کو چھوڑا، مجھے چھوڑا اور مجھے جھٹلایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی اور اپنے مصحف کو لٹکا دیا اس کی دیکھ بھال نہ کی اور اس کو نہ دیکھا وہ مصحف قیامت کے روز اس کے ساتھ چمٹے ہوئے آئے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے رب العالمین! تیرے اس بندے نے مجھے نظر انداز کر دیا میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرما''۔ ثعلبی نے اس (1) کو ذکر کیا ہے۔

وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا، هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا حال یا تمیز ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے یعنی تجھے ہدایت سے نوازے گا اور تیری مدد فرمائے گا، تو جو تجھ سے دشمنی کرتا ہے ان کی پرواہ نہ کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ابو جہل ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ۝ وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝

''اور کہنے لگے کفار (از راہ اعتراض) کیوں نہیں اتارا گیا ان پر قرآن یکبارگی، اس طرح اس لیے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لیے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے۔ اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر (جو اعتراض کو رد کر دے گی)''۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً اس کے قائل میں اختلاف کیا گیا ہے اس بارے میں دو قول ہیں: (۱) قریش کے کفار ہیں: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (۲) یہودی ہیں جب انہوں نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ سارے کا سارا کیوں نہیں نازل کیا گیا جس طرح تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ہم نے یہ اس طرح کیا تا کہ اس کے ذریعے آپ کے دل کو قوی کریں، آپ اسے یاد کریں اور اس کو برداشت کر

1۔ اس روایت کی صحت پر سوال اٹھایا گیا ہے اس کی سند میں ابو ہدبہ راوی ہے جو کذاب ہے۔

لیں، کیونکہ سابقہ کتب ایسے انبیاء پر نازل کی گئیں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب کہ قرآن نبی امی پر نازل کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ ہے، اس میں سوالات کے جوابات ہیں جو سوالات پوچھے گئے تھے۔ ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد ہو جائے، اس پر عمل کرنے والے کے لیے آسان ہو جب بھی نئی وحی آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی قوت میں اضافہ ہو جاتا۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ کہا جائے قرآن حکیم کو ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہ کیا گیا اور کیوں اسے یاد نہیں کرا دیا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھا؟ اس کا جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ وہ ایک لحظہ میں کتاب اور قرآن کی تعلیم دے دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، اس کی حکمت ہم بیان کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کَذٰلِکَ یہ مشرکوں کے قول میں سے ہے اور ان کے قول کی حکایت ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن تورات، انجیل کی طرح کیوں نہیں یکبارگی نازل کیا گیا تو کَذٰلِکَ پر وقف مکمل ہو جاتا ہے پھر لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ نئی کلام شروع ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وقف جُمْلَةً وَّاحِدَةً پر ہو پھر نئے سرے سے کلام شروع ہو کَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ اس کا معنی یہ ہوگا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اس کے ساتھ مضبوط کریں۔ ابن انباری نے کہا: پہلی توجیہ زیادہ عمدہ اور زیادہ اچھی ہے۔ دوسرے قول کی تفسیر آئی ہے۔ محمد بن عثمان شیبی، منجاب سے وہ مبشر بن عمارہ سے وہ ابو روق سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ کی تفسیر روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن حکیم لوح محفوظ سے آسمان میں سفرہ کراما کاتبین پر ایک ہی بار نازل ہوا۔ سفرہ کراما کاتبین نے اسے حضرت جبرئیل امین پر بیس راتوں میں نازل کیا اور حضرت جبرئیل امین بیس (1) سال تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے۔ کہا: مابعد آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ (الواقعہ) یہاں نجوم سے مراد قرآن کی آیات ہیں وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ (الواقعہ) جب قرآن حکیم ایک ہی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا گیا تو کافروں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم ایک ہی بار کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ خطاب حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کو ہے وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا یعنی ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر ہم قرآن حکیم کو آپ پر ایک ہی دفعہ نازل کرتے پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی جواب دیتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا لیکن ہم اسے آپ پر روکے رکھتے ہیں جب وہ سوال کرتے ہیں تو آپ جواب دے دیتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ نبوت کی علامات میں سے ہے، کیونکہ وہ کوئی سوال نہیں کرتے مگر انہیں جواب دیا جاتا ہے، یہ ایک نبی سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ان کے دلوں کو ثابت اور پختہ کرنا ہے، اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے: وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ۝ اگر وہ تمام

1۔ بعض کے نزدیک بائیس سال سے اوپر بنتا ہے۔ مترجم

فرائض جو اس میں ہیں وہ یکبارگی نازل ہوجاتے تو یہ امر ان پر ثقیل ہوجاتا، اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بہتری انہیں الگ الگ نازل کرنے میں ہے کیونکہ انہیں یکے بعد دیگرے آگاہ کیا جاتا تھا۔ اگر یہ ایک ہی بار نازل ہوجاتا تو تنبیہ کا معنی زائل ہوجاتا جب کہ اس میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ لوگ ایک وقت تک ایک فرض کی پیروی کرتے اللہ تعالیٰ جس میں ان کی بھلائی دیکھتا پھر اس کے بعد کوئی حکم نازل ہوجاتا ہے تو یہ امر محال تھا کہ یہ سب ایک ہی دفعہ نازل ہوتا: اس طرح کرو اور اس طرح نہ کرو۔ نحاس نے کہا: بہتر یہ ہے کہ یہ جُمْلَةً وَّاحِدَةً پر مکمل ہوجائے کیونکہ جب کَذٰلِكَ پر عطف ہو تو معنی ہوجائے گا جیسے تورات، انجیل اور زبور کی طرح جب کہ ان کا پہلے ذکر نہیں ہوا۔

ضحاک نے کہا: وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا یعنی اچھی تفصیل معنی ہے انہوں نے جن کی مثال دی ہے تفصیل کے اعتبار سے ان سے احسن ہے، سامع کے جاننے کی وجہ سے یہ حذف کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اہل کتاب سے مدد لیتے جب کہ اہل کتاب پر تحریف غالب آچکی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی لاتے وہ اچھی تفسیر ہوتی اس کی بنسبت، جو چیز ان کے پاس تھی، کیونکہ وہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے خالص حق اس حق سے اچھا ہوتا ہے جس میں باطل کی آمیزش ہو، اسی وجہ سے فرمایا: وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (البقرہ: 42) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ ان کے اس قول کی طرح ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے تھے کہ انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا گیا ہے اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ ہم ایسا حق لاتے ہیں جس میں ان کی دلیل کا توڑ ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ کو باپ اور ماں کے بغیر پیدا کیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا۠ ﴿۳۴﴾

"جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف ان کا بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے"۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ سورۂ اسراء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا کیونکہ وہ جہنم میں ہیں۔ مقاتل نے کہا: کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں کہا: یہ مخلوق میں سے سب سے برے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی: وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا دین اور طریقہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں۔ معنی یہ بنتا ہے: وہ آپ پر کوئی مثال نہیں لائیں گے مگر ہم بنی برحق اس کا جواب لائیں گے۔ ان کے خلاف واضح دلائل سے آپ کی مدد کی گئی ہے جب کہ انہیں منہ کے بل ہانکا جائے گا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ۚۖ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾

"اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (ہارون کو) وزیر پھر

ہم نے حکم دیا دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہے ہماری آیتوں کو (وہ گئے تو ان کو ٹھکرا دیا) تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا''۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ، کتاب سے مراد تورات ہے وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا سورۂ طٰہٰ میں بحث گزر چکی ہے۔ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ خطاب ان دونوں کو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اکیلے جانے کا حکم دیا گیا تھا یہ کلام اس طرح ہے جس طرح ارشاد ہے: نَسِیَا حُوْتَهُمَا (الکہف: 61) یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ (الرحمن) حالانکہ یہ ایک سمندر سے نکلتے ہیں یعنی صیغہ تثنیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور مراد ایک ہے۔ نحاس نے کہا: یہ ایسی بات ہے جو مناسب نہیں تھی کہ کتاب اللہ پر اس سے جرأت کی جاتی، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ (طٰہٰ) اس کی مثل یہ ارشاد ہے وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ (الرحمن) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا (المومنون: 45) تمام آیات میں دونوں کو خطاب اور حکم ہے۔ قشیری نے کہا: ایک اور جگہ پر اس کا قول ہے: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ (طٰہٰ: 24) یہ اس کے منافی نہیں کیونکہ جب دونوں مامور ہیں تو ہر ایک بھی مامور ہے، یہ کہنا جائز ہے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا پھر جب انہوں نے عرض کی: میرے خاندان میں سے میرا ایک وزیر بنا دے، تو ارشاد ہوا: اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ (طٰہٰ: 43)

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اس سے مراد فرعون، ہامان اور قبطی ہیں۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا اس کلام میں اضمار ہے کلام یوں ہے فکذبوهما فدمرناهم تدمیرا یعنی ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۚۖ ﴿۳۷﴾

''اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کے لیے عبرت اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب''۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لفظ قوم کے منصوب ہونے میں چار قول ہیں: فَدَمَّرْنٰهُمْ، ھم کی ضمیر پر اس کا عطف ہے (۲) اذکر فعل کی وجہ سے نصب ہے (۳) ایسا فعل مضمر ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کر رہا ہے تقدیر کلام یہ ہے أغرقنا قوم نوح أغرقناهم (۴) اَغْرَقْنٰهُمْ کی وجہ سے منصوب ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ نحاس نے اسے رد کیا ہے، کہا: أغرقنا ایسا فعل نہیں جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کہ وہ ضمیر اور قوم نوح میں عامل ہو۔

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ جنس کا ذکر کیا مراد صرف حضرت نوح علیہ السلام ہیں، کیونکہ اس وقت سوائے حضرت نوح کے کوئی ان کی طرف رسول نہیں تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اس لیے مبعوث کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی طرف دعوت دینے اور اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا ہے اس پر ایمان لانے کی دعوت کے لیے مبعوث کیے گئے تھے جب انہوں نے حضرت

نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اس جھٹلانے میں ان تمام کا جھٹلانا آ گیا جو اس کلمہ کے ساتھ مبعوث کیے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے ایک رسول کو جھٹلایا اس نے تمام رسولوں کو جھٹلایا، کیونکہ ایمان لانے کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، کیونکہ ہر نبی تمام انبیاء کی تصدیق کرتا ہے جس نے ان میں سے کسی ایک نبی کو جھٹلایا تو اس نے گویا ان تمام کو جھٹلایا جنہوں نے اس کی تصدیق کی تھی۔

اَغْرَقْنٰهُمْ طوفان کے ساتھ ہم نے انہیں غرق کر دیا، سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ **وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً** اپنی قدرت پر اسے ظاہر علامت بنایا۔ **وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا** قوم نوح میں سے مشرکوں کے لیے آخرت میں ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر ظالم کے بارے میں یہی میرا طریقہ ہے۔

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝۳۸

''اور یاد کرو قوم عاد، ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے درمیان گزریں''۔

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا یہ سب **قَوْمَ نُوْحٍ** پر معطوف ہیں جب **قَوْمَ نُوْحٍ** معطوف یا اذکر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ **فَدَمَّرْنٰهُمْ** کی ہم ضمیر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہو یا **جَعَلْنٰهُمْ** کی ہم ضمیر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہو، یہ نحاس کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے، کیونکہ یہی اس کے قریب تر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو یعنی اس قوم عاد کو یاد کرو جنہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے بانجھ ہوا کے ساتھ انہیں ہلاک کر دیا اور قوم ثمود کو یاد کرو جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو انہیں زلزلہ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ لغت عرب میں رَس سے مراد ایسا کنواں ہے جس کی چنائی نہ کی گئی ہو اس کی جمع رساس ہے کہا: تنابلة یحفرون الرساسا یعنی معدنیات کے کنویں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت کعب سے اصحاب رس کے بارے میں پوچھا، انہوں نے جواب دیا: صاحب یس جس نے کہا تھا: اے میری قوم! رسولوں کی اتباع کرو، اس کی قوم نے اسے قتل کر دیا اور اپنے کنویں میں ڈال دیا جسے رس کہتے انہوں نے اسے رس میں پھینک دیا تھا، مقاتل نے یہی کہا۔ سدی نے کہا: قصہ یس والے اہل انطاکیہ ہیں، رس انطاکیہ میں ایک کنواں تھا جس میں لوگوں نے حبیب نجار کو قتل کیا تھا جو آل یس کا مومن تھا تو وہ لوگ اس کنویں کی طرف منسوب ہو گئے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ قوم تھی جو صنوبر کے درخت کی پوجا کرتی تھی ان کے نبی نے ان کے خلاف بددعا کی جو یہودا کی اولاد میں سے تھے وہ درخت خشک ہو گیا لوگوں نے اس نبی کو قتل کر دیا اور اس کنویں میں بند کر دیا سیاہ بادل ان لوگوں پر سایہ فگن ہو گیا اور انہیں جلا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آذربائیجان میں ایک قوم تھی جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا ان کے درخت اور کھیتیاں خشک ہو گئیں وہ بھوک اور پیاس سے مر گئے ابن وہب بن منبہ نے کہا وہ کنویں والے تھے وہ اس کے ارد گرد بیٹھا کرتے تھے اور وہ مویشیوں کے مالک تھے وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور آپ کو اذیتیں دیں اور اپنے کفر و سرکشی میں حد سے بڑھ گئے۔ اسی اثنا میں کہ وہ اپنے

گھروں میں اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو وہ انہیں اور ان کے گھروں کو بہا کر لے گیا اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں دھنسا دیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔ قتادہ نے کہا: اصحاب رس اور اصحاب ایکہ دو امتیں تھیں دونوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے آپ کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے دو مختلف عذابوں میں انہیں مبتلا کیا۔ قتادہ نے کہا: رس ایک دیہات تھا جو یمامہ کے علاقہ میں تھا۔ عکرمہ نے کہا: یہ ایسی قوم تھے جنہوں نے اپنے نبی کو زندہ ایک کنویں میں دفن کر دیا تھا، اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن کعب قرظی سے نقل کی گئی ہے جو انہوں نے اس راوی سے نقل کی جس نے یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جنت میں سب سے پہلے ایک حبشی غلام داخل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی اس کی اپنی قوم کی طرف بھیجا اس نبی پر اس سیاہ غلام کے سوا کوئی ایمان نہ لایا بستی والوں نے ایک گڑھا کھودا اور اپنے نبی کو زندہ اس میں پھینک دیا۔ اور اس پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا۔ وہ سیاہ غلام اپنی پشت پر لکڑیاں کاٹ کر لاتا، انہیں بیچتا، اس سے کھانا اور مشروب خریدتا اس پتھر کو ہٹانے میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا یہاں تک کہ وہ کھانا اس نبی تک لٹکا دیتا اس اثنا میں کہ وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ وہ سو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سات سال تک اسے سلائے رکھا پھر وہ نیند سے بیدار ہوا پھر وہ دراز ہو گیا اور بائیں پہلو پر ٹیک لگائی تو اللہ تعالیٰ نے سات سال تک اسے سلائے رکھا پھر وہ اٹھا لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا اسے بیچا اور کھانا پانی کنویں کے پاس لایا تو اس نبی کو نہ پایا۔ اس نبی کی قوم کو اللہ نے ایک نشانی دکھائی تو انہوں نے اسے نکالا، اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق کی اور وہ نبی وصال کر گئے'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ سیاہ غلام سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا''۔

اس واقعہ کو مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے الفاظ ثعلبی کے ہیں۔ کہا: یہ لوگ اپنے نبی پر ایمان لے آئے تھے تو یہ جائز نہیں کہ یہ لوگ اصحاب الرس ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رس کے بارے میں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا مگر یہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے نبی کے بعد کوئی ایسے افعال کیے ہوں جن کی وجہ سے انہیں برباد کیا گیا ہو۔

کلبی نے کہا: اصحاب رس سے مراد ایسی قوم ہے اللہ تعالیٰ نے جن کی طرف نبی بنا کر بھیجا تو وہ اپنے نبی کو کھا گئے یہ وہ پہلے لوگ ہیں جن کی عورتوں نے ہم جنسی کا عمل کیا؛ ماوردی نے اسی کا ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اصحاب اخدود ہیں جنہوں نے خندقیں کھودیں اور مومنوں کو ان میں جلایا، اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ قوم ثمود کے بقایا لوگ تھے رس وہی کنواں ہے جس کا ذکر سورۂ حج میں وبئر معطلة میں ہوا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ صحاح میں ہے رس کنویں کا نام ہے جو قوم ثمود کے باقی ماندہ افراد کا تھا۔ امام جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے: اصحاب رس ایک قوم ہے جو اپنی عورتوں کے لیے سحق (ہم جنسی) کو پسند کرتے تھے ان کی تمام عورتیں ہم جنس پرست تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ مرد مردوں اور عورتیں عورتوں پر اکتفاء کریں گی''۔ یہی سحق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رس بنی اسد کا چشمہ اور کھجوریں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے رس سے مراد پہاڑوں میں تہہ در تہہ برف ہے؛ قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے جو پہلے ذکر کیا ہے وہ معروف ہے

سے مراد ہر وہ گڑھا ہے جسے کھودا جائے جس طرح قبر، کان اور کنواں۔ ابو عبیدہ نے کہا: رس سے مراد ایسا کنواں ہے جس کی چنائی نہ کی گئی ہو۔ اس کی جمع رساس ہے۔ شاعر نے کہا:

وهم سائرون إلى أرضهم فياليتهم يحضرون الرساس

وہ اپنے علاقہ کی طرف جارہے ہیں، کاش! وہ کنویں کھود لیتے۔

زہیر کے قول میں رس وادی کا نام ہے۔

فهن لوادي الرس كاليد للفم

وہ وادی رس کے لیے ایسی ہیں جس طرح منہ کے لیے ہاتھ۔

رسستُ رسا میں نے کنواں کھودا۔ رُسّ المیت میت کو قبر میں دفن کیا گیا۔ رس کا معنی لوگوں کے درمیان اصلاح ہے اور اس کا معنی فاسد کرنا بھی ہے۔ قد رسست بینهم میں نے ان کے درمیان صلح کرادی، میں نے ان کے درمیان فساد برپا کردیا، یہ اضداد میں سے ہے۔ اصحاب رس کے بارے میں اس کے علاوہ بھی بات کی گئی ہے جو کچھ ہم نے کہا؛ ثعلبی اور دوسرے علماء نے یہ ذکر کیا ہے۔

وَ قُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور اصحاب رس کے درمیان ایسی ایسی امتیں ہو گزری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ربیع بن خثیم کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو ان سے عرض کی گئی: کیا آپ دوائی نہیں کریں گے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کا قصد کیا پھر میرے اور میرے نفس کے درمیان جو معاملات تھے ان کے بارے میں غور و فکر کیا تو کیا پاتا ہوں کہ قوم عاد، قوم ثمود، اصحاب رس اور درمیان میں بے شمار قومیں ہیں جو مال جمع کرنے کی زیادہ حریص تھیں ان میں طبیب بھی تھے نہ ان میں کوئی تعریف کرنے والا بچا اور نہ وہ بچا جس کی تعریف کی گئی۔ انہوں نے دوائی کرنے سے انکار کردیا صرف پانچ دن تک وہ زندہ رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ٘ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ۝۳۹

”حق سمجھانے کے لیے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لیے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کردیا“۔

زجاج نے کہا: معنی ہے ہم نے سب کو ڈرایا، ان کے لیے امثال بیان کیں اور ان کے لیے حجت کو واضح کیا۔ ہم نے ان کی باطل امثال ذکر نہیں کیں جس طرح یہ کافر کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كُلًّا کو نصب، ذکرنا فعل کی وجہ سے ہے کیونکہ امثال کا ذکر کرنا یہ بھی وعظ و نصیحت ہے؛ مہدوی نے اس کا ذکر کیا۔ معنی ایک ہی ہے۔ ہم نے سب کو عذاب کے ساتھ ہلاک کردیا۔ تبرتُ الشیء میں نے اسے توڑ دیا۔

مورج اور اخفش نے کہا: ہم نے انہیں برباد کردیا، یعنی تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا کا معنی فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ہے تاء اور باء، دال اور میم سے بدلی ہوئی ہے۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

''اور کئی بار گزرے ہیں یہ مشرک اس قصبہ کے پاس سے جس پر پتھراؤ کیا گیا تھا بری طرح، کیا (وہاں سے گزرتے ہوئے) وہ اسے دیکھا نہیں کرتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں''۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ واؤ ضمیر سے مراد مشرکین مکہ ہیں قریہ سے مراد قوم لوط کی بستی ہے۔ مَطَرَ السَّوْءِ وہ پتھر جو ان پر برسائے گئے۔ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا کیا انہوں نے اپنے سفروں میں نہیں دیکھا تا کہ وہ عبرت حاصل کریں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش شام کی طرف تجارتی سفر میں قوم لوط کے شہروں کے پاس سے گزرتے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ (الصافات) فرمایا: وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الحجر) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝ وہ بعث کی تصدیق نہیں کرتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ يَرْجُوْنَ کا معنی ہے وہ خوف کرتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے اصل معنی پر ہو اس کا معنی ہوگا: وہ آخرت کے ثواب کی امید نہیں رکھتے۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

''اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کہ یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بہکا دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت نہ رہے ہوتے ان کی (پوجا) پر، (اے حبیب) یہ جان لیں گے جب (ہمارے) عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بھٹکا ہوا ہے راہ (راست) سے''۔

وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا، اِذَا کا جواب اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ ہے کیونکہ اس کا معنی يَتَّخِذُوْنَكَ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے وہ قالوا یا یقولون أھذا الذی ہے۔ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا جملہ معترضہ ہے، یہ آیت ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ استہزا کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے: اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ضمیر عائد منصوب ہے تقدیر کلام ہوگی بعثہ اللہ۔ رَسُوْلًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے أھذا الذی بعثہ اللہ مرسلا۔ اَهٰذَا مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ الَّذِيْ اس کی خبر ہے رَسُوْلًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ بَعَثَ، الَّذِيْ صلہ ہے لفظ اللہ اسم جلالت بَعَثَ کی وجہ سے مرفوع ہے، یہ بھی جائز ہے کہ رَسُوْلًا مفعول مطلق ہو کیونکہ بَعَثَ کا معنی ارسل ہے تو رَسُوْلًا کا معنی رسالۃ ہوگا، ہمزہ استفہام تقریر کے لیے یا احتقار (حقیر جاننا) کے لیے ہوگا۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا انہوں نے کہا: قریب تھا کہ وہ ہمیں پھیر دے۔

عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ہم نے اس کی عبادت پر اپنے آپ کو محبوس رکھا۔ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا یعنی کون از روئے دین کے گمراہ ہے وہ یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ غزوۂ بدر کے موقع وہ یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

''کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنالیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو، کیا آپ اسکے ذمہ دار ہیں''۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اپنے نبی کو تعجب کرنے کا حکم دیا کہ وہ اپنے دل سے شرک کو چھپائے ہوئے ہیں، یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور رازق ہے وہ شرک پر اصرار کرتے ہیں پھر ایسے پتھر کا قصد کرتے ہیں جس کی دلیل کے بغیر عبادت کرتے ہیں۔

کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: عربوں میں سے کوئی جب کسی شی سے محبت کرتا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا، جب اس سے زیادہ خوبصورت چیز کو دیکھتا تو پہلی چیز کو چھوڑ دیتا اور زیادہ خوبصورت چیز کی عبادت کرنے لگتا۔ اس آیت کا یہ معنی بنتا ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ بھواہ حرف جار کو حذف کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ھوی معبود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جاتی ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اس نے اپنی خواہش کی اطاعت کی۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: وہ کسی شے سے محبت نہیں کرتا مگر اس کی پیروی کرتا ہے، معنی ایک ہی ہے۔ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا کیا تو اس پر نگہبان اور ضامن ہے یہاں تک کہ تو اسے ایمان کی طرف لوٹاتا ہے اور اس فساد سے نکالتا ہے، یعنی ہدایت اور گمراہی تیری مشیت کے سپرد نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تبلیغ حق کرنا ہے۔ یہ قدریہ کا رد ہے۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت قتال کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت منسوخ نہیں، کیونکہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

''کیا آپ خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (کچھ) سمجھتے ہیں، نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ، انھم نہیں فرمایا کیونکہ ان میں سے ایسے افراد بھی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ان کی مذمت کی ہے۔ یہاں سننے سے ایسا سننا ہے جو قبولیت کا سننا ہے یا جو آپ کہتے ہیں اس میں غور وفکر کرتے ہیں تو وہ اسے سمجھ جاتے ہیں یعنی وہ اس آدمی کی جگہ ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور نہ ہی اسے سنتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جب وہ اس چیز سے نفع حاصل نہیں کرتے جس

کو سنتے ہیں تو گویا انہوں نے سنا ہی نہیں، مراد اہل مکہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: أم اس قسم کے مواقع میں بل کے معنی میں ہوتا ہے اِنۡ ھُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ وہ کھانے پینے میں چوپاؤں کی طرح ہیں۔ چوپاؤں پر نہ کوئی حساب ہے اور نہ ہی سزا۔ مقاتل نے کہا: چوپائے اپنے رب کو پہچانتے ہیں اپنی چراگاہوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ مالک جو انہیں چارہ کھلاتے ہیں ان کی وہ اطاعت کرتے ہیں یہ نہ اطاعت کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے اس رب کو پہچانتے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا اور انہیں رزق دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوپائے ان سے افضل اس لیے ہیں کیونکہ چوپائے اگرچہ توحید ونبوت کی صحت کو نہیں سمجھتے تو وہ ان کے بطلان کو بھی نہیں سمجھتے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿ۙ۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾

"(کیا آپ نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف) کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو، اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھہرا ہوا پھر ہم نے بنا دیا آفتاب کو اس پر دلیل، پھر ہم سمیٹے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ"۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ یہ جائز ہے کہ رویت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد علم ہو۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: فجر کے طلوع سے لے کر سورج کے طلوع تک سایہ کو لمبا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد سورج کے غائب ہونے سے اس کے طلوع تک کا وقت ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس ساعت سے بڑھ کر کوئی ساعت اچھی نہیں کیونکہ اس میں مسافر اور ہر بیمار راحت پاتا ہے، ان میں مردوزن کی روحیں اور نفوس جسموں کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، اس میں زندوں کے نفوس خوش ہوتے ہیں مغرب کے بعد یہ صفت مفقود ہوتی ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جنت کا دن اس طرح ہوگا۔ صبح کی نماز پڑھنے والوں کی ساعت کی طرف اشارہ کیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: ظل پہلے پہر اور فئی پچھلے پہر ہوتا ہے کیونکہ سورج کے ڈھلنے کے بعد وہ لوٹتا ہے۔ اسے فئی کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرق سے مغرب کی جانب پلٹتا ہے۔ شاعر جو حمید بن ثور ہے وہ سرحہ درخت کی صفت بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنی بیوی کا کنایہ کے طور پر ذکر کرتا ہے:

فلا الظل من برد الضحی تستطیعه ولا الفئی من برد العشی تذوق

تو چاشت کے ٹھنڈے سایہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ پچھلے پہر کے سایہ کو چکھتا ہے۔

ابن سکیت نے کہا: ظل اسے کہتے ہیں جسے سورج ختم کر دیتا ہے اور فئی اسے کہتے ہیں جو سورج کو ختم کر دیتا ہے۔ ابو عبید نے رؤبہ سے یہ حکایت بیان کی ہے جس پر سورج ہو اور سورج اس سے زائل ہو جائے تو وہ فئی اور ظل ہے جب تک اس پر سورج نہ چمک رہا ہو تو وہ ظل ہوتا ہے۔

وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے دائمی اور ساکن بنا دیتا سورج اس کو ختم نہ کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سورج کو طلوع ہونے سے روک دیتا۔

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ہم نے سورج کو (اس لیے کہ اس کے آنے کے وقت وہ سایہ کو ختم کر دیتا ہے) اس امر پر دلیل بنا دیا ہے کہ ظل شے اور معنی ہے کیونکہ اشیاء کو اضداد سے پہچانا جاتا ہے اگر سورج نہ ہو تو سایہ کی پہچان نہ ہوتی اگر نور نہ ہوتا تو تاریکی کی پہچان نہ ہوتی۔ دلیل کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول کے معنی میں ہے جس طرح قتیل، دھین اور خصیب مفعول کے معنی میں ہیں۔ ہم نے سورج کو سایہ پر دلیل بنایا یہاں تک کہ سورج اسے لے گیا یعنی ہم نے اسے اس پر دلیل بنایا، یعنی سورج دلیل یعنی حجت اور برہان ہے وہی ذات ہے جو مشکل کو دور کرتی ہے اور اسے واضح کرتی ہے۔ دلیل کو مونث نہیں بنایا جب کہ یہ الشمس کی صفت ہے کیونکہ یہ اسم کے معنی میں ہے جس طرح کہا جاتا ہے: الشمس برهان والشمس حق۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ، ہ ضمیر سے مراد پھیلا ہوا سایہ ہے۔ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا اس کا قبض کرنا ہم پر آسان ہے ہر امر اللہ تعالیٰ پر آسان ہے سایہ اس فضا میں اتنی دیر ہی رہتا ہے جتنا وقت فجر کے طلوع ہونے سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو سایہ مقبوض ہو جاتا ہے۔ فضا میں اس کے پیچھے سورج کی شعاع ہوتی ہے جو سورج کے غروب ہونے تک زمین اور اشیاء پر چمکتی ہے۔ جب وہ غروب ہو جاتا ہے تو وہاں کوئی سایہ نہیں ہوتا، بے شک وہ دن کے نور کا باقی ماندہ حصہ ہوتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: سایہ کا قبض غروب شمس کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ جب تک سورج غروب نہیں ہوتا تو اس میں سایہ باقی رہتا ہے اس کا زوال رات کے آنے اور ظلمت کے داخل ہونے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قبض سورج کے ساتھ واقع ہوتا ہے کیونکہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ سایہ چلا جاتا ہے یہ ابو مالک اور ابراہیم تیمی کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اس سے مراد ہے ہم نے سورج کی روشنی کو سایہ کے ساتھ آسانی سے قبضہ میں لے لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَّسِيْرًا کا معنی تیز ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: مخفی یعنی جب سورج غائب ہوتا ہے تو سایہ کو مخفی طریقہ سے قبض کر لیا جاتا ہے جب بھی اس میں سے کسی جز کو قبضہ میں لیا جاتا ہے تو اس کی جگہ تاریکی میں سے حصہ رکھ دیا جاتا ہے وہ ایک ہی دفعہ زائل نہیں ہوتا؛ یہ قتادہ کے قول کا معنی ہے؛ یہی مجاہد کا قول ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝

''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا جس نے رات کو مخلوق کے لیے لباس بنا دیا جو بدن کو ڈھانپنے میں لباس کے قائم مقام ہے۔ طبری نے کہا: رات کی صفت لباس سے کی گئی ہے کیونکہ رات بھی اشیاء کو ڈھانپ لیتی ہے اور چھپا لیتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: بعض غافلوں نے یہ گمان کیا کہ جس نے تاریکی میں ننگے نماز پڑھی اس کے لیے وہ

نماز جائز ہوگی کیونکہ رات لباس ہے۔ یہ تو اس امر کو بھی ثابت کرے گی کہ وہ کمرے میں ننگے نماز پڑھ لے جب وہ اپنا دروازہ بند کر لے۔ نماز کی حالت میں پردہ کرنا عبادت ہے یہ نماز کے ساتھ خاص ہے یہ اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دیکھیں، اس میں طویل گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا نیند کو راحت بنایا جو تمہارے بدنوں کو راحت پہنچاتی ہے، کیونکہ تم اس وقت کام کاج چھوڑ دیتے ہو۔ سبات کا اصل معنی لمبا ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبت المراۃ شعرھا عورت نے اپنی مینڈھیوں کو کھول دیا اور انہیں لمبا کر لیا۔ رجل مسبوت لمبے قد والا آدمی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نیند کو سبات کہتے ہیں کیونکہ نیند لمبے لیٹنے سے ہی ہوتی ہے اور لمبا لیٹنے میں راحت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبت کا معنی کاٹنا ہے۔ نوم، مصروفیات سے الگ تھلگ ہونا ہے، اسی سے سبت الیہود ہے کیونکہ ہفتہ کے روز وہ کام کاج نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبت کا معنی مکان میں مقیم ہونا ہے گویا سبات سے مراد سکون اور اس پر ثابت رہنا ہے النوم سبات کا معنی ہوگا کہ یہ اضطراب اور حرکت سے سکون ہے۔ خلیل نے کہا: سبات سے مراد بھاری نیند ہے، یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ثقیل بنایا تا کہ راحت مکمل ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا دن کو معاش کے لیے پھیلنے والا بنایا۔ دن احیاء کا سبب بنایا تا کہ تم پھیل سکو۔ اس میں نیند سے بیداری کو نشور کہا یہ اس امر کے مشابہ ہے جس طرح زندہ کرنا مارنے کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کرتے تو کہتے: الحمد للہ الذی أحیانا بعد ما أماتنا والیہ النشور اس اللہ کے لیے تمام تر تعریفیں ہیں جس نے ہمیں موت عطا کرنے کے بعد زندہ کیا اور اس کی بارگاہ میں دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ﴿۴۸﴾

''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی''۔

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا

اس میں پندرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَآءً طَهُوْرًا جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتی ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: اس سے مراد ایسا پانی ہے جس کے ساتھ وضو کیا جاتا ہے ہر طہور، طاہر تو ہوتا ہے مگر ہر طاہر، طہور نہیں ہوتا۔ طہور جب طاء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اسم ہوتا ہے اسی طرح وضو اور وقود، ضمہ کے ساتھ مصدر ہوتا ہے، لغت میں یہی معروف ہے؛ یہ ابن انباری کا قول ہے۔ یہ واضح کیا کہ آسمان سے جو پانی نازل ہوتا ہے وہ فی نفسہ طاہر ہوتا ہے اور غیر کے لیے مطہر (پاک کرنے والا) ہوتا ہے کیونکہ طاہر کی بنسبت طہور میں مبالغہ ہے کیونکہ یہ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے یہ مبالغہ کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پانی طاہر و مطہر ہو؛ جمہور علماء اسی طرف

گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طھور، طاھر کے معنی میں ہے؛ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ (الانسان) سے استدلال کیا ہے جس میں طھور، طاھر کے معنی میں ہے، اسی طرح شاعر کے قول سے استدلال کیا اس میں شاعر نے عورتوں کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا: ریقھن طھور، لعاب کی صفت طہور سے لگائی حالانکہ تھوک پاک کرنے والا نہیں۔ عرب کہتے ہیں: رجل نؤوم، اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ کسی اور کو سلانے والا ہے یہ اس کے اپنے فعل کی طرف راجع ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے: جنت کی شراب کی صفت طہور سے لگائی گئی ہے کیونکہ وہ گناہوں کی غلاظتوں، خسیس صفات جیسے کینہ اور حسد سے پاک کرنے والی ہے جب وہ یہ مشروب پئیں گے اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں کی آلودگیوں اور مذموم اعتقادات کی غلاظتوں سے پاک کردے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلیم دل کے ساتھ آئیں گے اور سلامتی کی صفات کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اس موقع پر انہیں کہا گیا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ (الزمر) جب دنیا میں اس کا حکم یہ ہے کہ جب پانی اعضاء پر جاری ہوتا ہے تو آخرت میں بھی اس کی حکمت یہی ہوگی۔

جہاں تک شاعر کے قول کا تعلق ہے ریقھن طھور اس میں مبالغہ کا ارادہ کیا ہے کہ طھوریتہ کے ساتھ ریق کی صفت لگائی کیونکہ اس میں مٹھاس ہے اور دلوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور نفوس میں اس کی خوشبو پائی جاتی ہے۔ اس کے چوسنے کے ساتھ محب کی پیاس کو سکون حاصل ہوتا ہے گویا وہ ماء طہور ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ احکام شرعیہ اشعار میں ایسے الفاظ جو مجازی معنی میں استعمال ہوں ان سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا، کیونکہ شعراء صدق سے کذب کی طرف تجاوز کر جاتے ہیں اور گفتگو میں اتنی آزادروی اپناتے ہیں، یہاں تک کہ یہ چیز انہیں بدعت و معصیت کی طرف لے جاتی ہے بعض اوقات وہ کفر میں جا پڑتے ہیں کہ انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔ کیا تو ان میں سے ایک کے قول کو نہیں دیکھتا؟

ولولم تلامس صفحة الأرض رِجلَها لما كنت أدرِي علةَ للتيمم

اگر سطح زمین اس کے پاؤں سے مس نہ کرتی تو مجھے تیمم کی علت کا علم نہ ہوتا۔

یہ صریح کفر ہے نعوذ باللہ منہ۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ علماء کے کلام کا لب لباب ہے یہ اپنے فن میں بلیغ ترین ہے مگر میں نے عربی لغت کے حوالہ سے غور و فکر کیا تو میں نے اس میں روشن مطلع پایا، وہ یہ ہے کہ فعول کا وزن مبالغہ کا ہے مگر مبالغہ کبھی فعل متعدی میں ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

ضَروبٌ بنصل السيف سُوقَ سِمانها

وہ تلوار کے پھل سے ان میں سے موٹی اونٹنیوں کی پنڈلیوں پر ضرب لگانے والا ہے۔

بعض اوقات فعل لازم میں یہ آتا ہے جس طرح کہا: نئوم الضحا چاشت کے وقت تک سونے والا۔ پانی کا غیر کو پاکیزگی عطا کرنا، اسے نظافت کے اعتبار سے لیا جائے تو یہ عمل حسن ہے اور طہارت کے اعتبار سے لیا جائے تو یہ امر شرعی ہوگا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یقبل اللہ صلاۃ بغیر طھور، اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ لغت اور شرع کے اعتبار سے علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ طہور کا وصف پانی کے ساتھ خاص ہے یہ تمام مائع چیزوں کی

طرف متعدی نہیں ہوگا جب کہ وہ پاکیزہ ہیں ان کا پانی کے بارے میں یہ حکم محدود کرنا اس امر پر واضح دلیل ہے کہ طھور کا معنی مصھر ہے فعول کا وزن کئی اور مقاصد کے لیے بھی آتا ہے۔ یہ اس کی تمام وضاحت نہیں اس سے مراد فعل کا آلہ بھی ہوتا ہے فعل مراد نہیں ہوتا جس طرح وقود، سحود کیونکہ ان سے مراد لکڑی اور وہ کھانا ہے جس کے ساتھ سحری کی جاتی ہے، پانی کی صفت طھور سے لگائی گئی ہے اس سے مراد ایسا آلہ ہوگا جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتی ہے۔ جب وقود، سحور اور طھور کے فاء کلمہ کو ضمہ دیا جائے تو اس سے مراد فعل ہوگا یعنی یہ مصدری معنی پر دال ہوں گے اور اس کے بارے میں خبر دی جائے گی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''فعول'' کا وزن یہ بھی مبالغہ کا وزن ہے اس سے مراد آلہ ہوگا۔ حنفیہ کے دل میں یہی بات کھٹکی ہے، لیکن مقصد پورا نہ ہوا۔ اس گفتگو کے بعد اس کے مبالغہ کے وزن اور اسم آلہ کے وزن ہونے کے بارے میں وضاحت دلیل پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ (الفرقان) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا میرے لیے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنادی گئی۔ یہ دونوں دلیلیں مبالغہ اور آلہ کا احتمال رکھتی ہیں۔ اس میں ہمارے علماء کے لیے کوئی حجت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان لیطھرکم بہ اس میں نص ہے کہ اس کا فعل غیر کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وہ پانی جو آسمان سے نازل ہوں یا زمین سے ودیعت کیے گئے ہوں وہ طاہر بھی ہوں گے وہ مطہر بھی ہوں گے خواہ ان کے رنگ مختلف ہوں، ان کے ذائقے مختلف ہوں اور ان کی بو مختلف ہو، یہاں تک کہ ان کے ساتھ کوئی اور چیز ملی ہوئی ہو۔ پانی کے ساتھ ملنے والی چیز کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ایسی قسم جو پانی کی دونوں صفتوں کے موافق ہو۔ جب وہ چیز پانی کے ساتھ مل جائے تو وہ اس کو تبدیل کردے تو وہ پانی کے کسی وصف کو سلب نہیں کرتی کیونکہ وہ ان دونوں کے موافق ہے، وہ مٹی ہے (۲) وہ چیز پانی کی دو صفتوں میں سے ایک کے موافق ہو، وہ طہارت ہے، جب وہ چیز اس پانی کے ساتھ مل جائے جس میں مخالف ہو اس کو تبدیل کردیتی ہے وہ تطہیر کی صفت ہے جس طرح عرق گلاب اور باقی ماندہ پاکیزہ چیزیں (۳) ایسی چیز جو دونوں صفتوں میں مخالف ہو جب وہ چیز اس پانی کے ساتھ مل جائے تو اسے تبدیل کردے تو اس کی دونوں صفتوں کو سلب کرلیتی ہے کیونکہ وہ ان دونوں کے مخالف ہے وہ ناپاکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مالک کے مصری اصحاب اس نقطہ نظر کی طرف گئے ہیں کہ تھوڑے پانی کو تھوڑی نجاست ناپاک کر دیتی ہے اور زیادہ پانی کو اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کے رنگ، ذائقہ اور بو کو بدل نہ دے جب کہ وہ چیز حرام ہو۔ انہوں نے قلیل اور کثیر میں کوئی حد بیان نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوسکے مگر ابن قاسم نے امام مالک سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک جنبی جو ایسے حوض میں غسل کرتا ہے جس سے جانور پانی پیتے ہیں جب کہ اس نے جسم پر لگی ناپاکی کو نہ دھویا ہو تو وہ پانی کو فاسد کردے گا: یہ قول ابن قاسم، اشہب، ابن عبد الحکم اور مصر میں ان کے پیروکاروں کا ہے مگر ابن وہب، وہ وہی قول کرتے ہیں جو مدینہ طیبہ کے مالکی علماء کا ہے ان کا قول وہ ہے جو ابومصعب نے ان سے اور امام مالک سے نقل کیا ہے: پانی میں گری ہوئی نجاست وہ تھوڑی یا زیادہ ہو اسے فاسد نہ کرے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں گری ہوئی نجاست ظاہر ہو جائے اور اس سے

ذائقہ، بو اور رنگ بدل جائے۔ احمد بن معدل نے ذکر کیا کہ پانی کے بارے میں یہ قول حضرت مالک بن انس کا ہے اسی طرف اسماعیل بن اسحاق، محمد بن بکیر، ابوالفرج، ابہری اور دوسرے علماء کا میلان ہے جو بغداد سے تعلق رکھتے ہیں؛ یہی قول امام اوزاعی، لیث بن سعد، حسن بن صالح اور داؤد بن علی کا ہے؛ یہی اہل بصرہ کا قول ہے، نظر وفکر کے اعتبار سے یہی صحیح ہے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: جب پانی میں نجاست گر جائے تو پانی کو ناپاک کر دے گی وہ پانی زیادہ ہو یا تھوڑا ہو جب اس میں عموم نجاست محقق ہو جائے۔ ان کے نزدیک اس کے تحقق کی صورت یہ ہے کہ ایک تالاب میں پیشاب کا ایک قطرہ گر جائے اگر تالاب کی ایک جانب دوسری جانب کو حرکت دینے سے متحرک ہو جائے تو تمام تالاب ناپاک ہوگا۔ اگر اس کی دونوں طرفوں میں سے ایک کو حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت نہ کرے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔

مجموعہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی مثل ہے۔

امام شافعی نے قلتین والی حدیث سے استدلال کیا ہے(1)، یہ ایسی حدیث ہے جس میں طعن ہے اس کی سند اور متن میں اختلاف ہے، اسے ابوداؤد، ترمذی اور دارقطنی نے نقل کیا ہے آپ نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس کا ذکر کیا اور اس کے طرق کو جمع کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: دارقطنی نے اپنی امامت کے بل بوتے پر حدیث قلتین کو صحیح قرار دینے کا قصد کیا مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا: امام شافعی نے حدیث قلتین کی وجہ سے جو نقطہ نظر اپنایا ہے وہ نظر وفکر کے اعتبار سے کمزور نقطہ نظر ہے، اثر میں ثابت نہیں کیونکہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس بارے میں گفتگو کی ہے کیونکہ قلتین کی حقیقت کسی اثر میں بھی کوئی آگاہی نہیں اور نہ ہی اجماع میں کوئی بات ثابت ہے اگر یہ لازمی حد ہوتی تو علماء پر لازم تھا کہ اس سے بحث کرتے اور ضرور اس حد پر آگاہ ہو جاتے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہوتی کیونکہ یہ ان کے دین اور فرض کی اصل ہے اگر یہ ایسے ہوتا تو وہ اسے ضائع نہ کرتے جب کہ انہوں نے اس سے ادنیٰ درجہ کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن منذر نے قلتین کے بارے میں جو اختلاف ذکر کیا ہے وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں کوئی تعیین وتحدید نہ ہوگی۔ سنن دارقطنی میں حماد بن زید، عاصم بن منذر سے روایت نقل کرتے ہیں: یہ قلال سے مراد بڑے منکے ہیں۔ عاصم، قلتین والی حدیث کے ایک راوی ہیں۔ دارقطنی کے قول سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہجر کے منکوں کی مثل ہیں کیونکہ انہوں نے اسراء کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب مجھے سدرۃ المنتہیٰ سے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا اس کے بیر ہجر کے منکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے'' اور حدیث ذکر کی۔

ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے بئر بضاعہ کے متعلق حضرت ابوسعید خدری کی حدیث سے استدلال کیا ہے اسے امام نسائی، امام ترمذی، ابوداؤد اور دوسرے علماء نے روایت کیا ہے(2)، یہ بھی حدیث ضعیف ہے، صحت میں اس کا کوئی مقام نہیں

1۔ سنن ابی داؤد، باب ماینجس الماء، حدیث نمبر 58-59۔ ابن ماجہ باب مقدار الماء الذی لاینجس، حدیث نمبر 509، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ابوداؤد باب ماجاء فی بئر بضاعۃ، حدیث 60-61، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اس لیے اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ میں اس مسئلہ میں طوسی اکبر کا موافق ہوں۔ انہوں نے کہا: اس مسئلہ میں سب سے اچھا مذہب امام مالک کا مذہب ہے پانی مطہر ہی رہے گا جب تک اس کا ایک وصف تبدیل نہ ہو جائے کیونکہ اس باب میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ اعتماد قرآن کے ظاہر پر کیا جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا یہ اس وقت اس حالت پر رہے گا جب تک اس کی صفات باقی رہیں۔ جب ان میں سے کسی چیز سے متغیر ہو جائے تو وہ اس اسم سے خارج ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کی صفت سے خارج ہو چکا ہے اسی وجہ سے جب امام بخاری نے جو حدیث و فقہ کے امام ہیں اس باب میں کوئی روایت نہ پائی جس پر اعتماد کر سکیں تو فرمایا: باب اذا تغیر وصف الماء اور حدیث صحیح اس باب میں داخل کی ما من أحد یکلم فی سبیل اللہ واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ إلا جاء یوم القیمۃ و جرحہ یثعب دما اللون لون الدم والریح ریح المسك(1) اللہ کی راہ میں جس کو بھی زخم لگایا گیا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کسے اس کی راہ میں زخم لگایا جاتا ہے وہ قیامت کے روز آئے گا جب کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو گا رنگ خون کا ہو گا اور خوشبو کستوری کی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ خون اپنی حالت پر رہے گا اور اس پر خوشبو کستوری کی ہوگی، خوشبو اسے خون کی صفت سے خارج نہ کرے گی۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء نے ارشاد فرمایا: جب پانی کی بو مردار کی بو سے تبدیل ہو جائے جو اس کی ایک جانب یا ساحل پر پڑا ہے تو یہ اس سے وضو کے مانع نہیں۔ اگر اس کی وجہ سے بو تبدیل ہو چکی ہے جب کہ اسے پانی میں ڈالا گیا تو یہ اس کو ناپاک کرنے کا سبب بن جائے گا کیونکہ وہ آپس میں خلط ملط ہو چکے ہیں پہلی صورت میں تغیر پڑوس کی وجہ سے ہے جس پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں: اس کے برعکس پر استدلال کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بو کا بدل جانا اسے اصل سے خارج کر دیتا ہے اس استدلال کی وجہ یہ ہے کہ خون، جب اس کی بو خوشبو سے بدل گئی تو وہ ناپاک ہونے سے خارج ہو گیا بلکہ وہ مسک ہو گیا اور مسک (کستوری) بھی بدن کے خون کا بعض ہے۔

اسی طرح پانی ہے جب اس کی بو تبدیل ہو جائے۔ پانی کے بارے میں اسی تاویل کی طرف جمہور گئے ہیں، پہلے قول کی طرف عبدالملک گئے ہیں۔ ابو عمرو نے کہا: انہوں نے حکم بو کی وجہ سے لگایا، رنگ کی وجہ سے حکم نہیں لگایا، حکم اسی کا ہو گا۔ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق اس حدیث سے استدلال کیا ہے، اس سے کوئی ایسا معنی سمجھ میں نہیں آتا جس سے نفس سکون پائے۔ نہ ہی خون میں پانی کا معنی ہے کہ اس پر قیاس کیا جاتا اور نہ اس قسم کی چیزوں میں فقہاء مشغول ہوتے ہیں اور نہ ہی علماء کا یہ کام ہے کہ وہ لوگوں کو مشکلات میں ڈالتے رہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ وہ اس کی وضاحت کریں، اسی وجہ سے ان سے عہد لیا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے بیان کریں گے، وہ کوئی چیز نہیں چھپائیں گے، پانی تغیر و تبدل سے خالی نہیں وہ نجاست کے ساتھ ہو یا نجاست کے بغیر ہو۔ اگر نجاست کے ساتھ ہو اور اس میں تغیر آجائے تو علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ نہ طاہر ہو گا اور نہ مطہر ہو گا۔ اور اسی طرح علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جب وہ نجاست کے بغیر متغیر ہو جائے تو وہ اپنے اصل کے مطابق

1۔ صحیح البخاری، باب ما یقع من النجاسات فی السمن والماء، حدیث نمبر 230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پاک ہوگا۔ جمہور نے کہا: وہ مطہر نہیں ہوگا ہاں اس صورت میں مطہر (پاک کرنے والا) ہوگا کہ اس کا تغیر مٹی سے ہو جس پر سب علماء کا اتفاق ہے یہی حق ہے اس میں کوئی اشکال نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ التباس ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ایسا پانی جو ٹھہرنے کی وجہ سے متغیر ہو جائے جس طرح ہڑتال یا گچ جس پر پانی بہتا ہو یا کائی اور درخت کے پتوں کی وجہ سے متغیر ہو جائے جو درخت اس پانی پر اگتا ہے اس سے بچنا ممکن نہیں علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ چیز وضو سے مانع نہیں کیونکہ اس سے بچنا اور اس سے جدا ہونا ممکن نہیں۔ ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ اس کے علاوہ پانی اس سے اولیٰ ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ جوٹھے پانی کے احکام۔ ہمارے علماء نے فرمایا: نصرانی، کفار، ہمیشہ شراب نوشی کرنے والے، مردار کھانے والے جیسے کتے کا جوٹھا مکروہ ہے۔ جس نے ان کے جوٹھے سے وضو کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی یہاں تک کہ اسے نجاست کا یقین ہو جائے۔ امام بخاری نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔ سفیان بن عیینہ نے ذکر کیا ہے کہ زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت نقل کی: جب ہم شام میں تھے تو میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس پانی لایا تو آپ نے اس سے وضو کیا۔ پوچھا: تو یہ پانی کہاں سے لایا تھا؟ میں نے اس سے زیادہ میٹھا اور پاکیزہ پانی نہیں دیکھا۔ میں نے عرض کی: میں یہ پانی ایک نصرانی بوڑھی عورت کے گھر سے لایا ہوں جب آپ نے وضو کر لیا تو آپ اس عورت کے پاس آئے فرمایا: اے بوڑھی عورت! اسلام قبول کر لے تو سلامتی پا جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس بوڑھی عورت نے اپنے سر سے کپڑا اٹھایا تو اس کا سر ثغامہ بوٹی کی طرح سفید تھا۔ اس عورت نے کہا: بہت ہی بڑھیا، میں اس وقت مرنے والی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا۔ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے۔

حسن بن اسماعیل، احمد بن ابراہیم بوشجی سے وہ سفیان سے روایت نقل کرتے ہیں اسے حسین بن اسماعیل نے خلاد بن اسلم سے وہ سفیان سے وہ زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا آپ اس کے پاس تشریف لائے، فرمایا: اے بڑھیا! اسلام قبول کر لے، اور پہلی کی مثل حدیث ذکر کی۔

مسئلہ نمبر 6۔ جہاں تک کتے کا تعلق ہے جب وہ پانی میں منہ ڈال لے تو اس برتن کو سات دفعہ دھویا جائے گا اس سے وضو نہیں کیا جائے گا اور وہ پانی پاک ہوگا۔ ثوری نے کہا: اس سے وضو کیا جائے گا اور ساتھ ہی تیمم کیا جائے گا؛ یہ عبد الملک بن عبد العزیز اور محمد بن مسلمہ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: کتا ناپاک ہے اس کی وجہ سے برتن کو دھویا جائے گا کیونکہ وہ ناپاک ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال جاتا تو امام مالک اس برتن کے دھونے میں فرق کرتے کہ کیا کتا وہ ہے جس کا پکڑنا جائز ہے اور جس کا پکڑنا جائز نہیں۔ آپ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک کتا پاک ہے جب وہ کسی شے میں منہ ڈال جاتا ہے تو وہ اس چیز کو ناپاک نہیں کرتا وہ چیز کھانا ہو یا کوئی اور چیز ہو مگر جب وہ پانی ہو جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو تو اس میں مشقت کیونکہ کم ہوتی ہے تو اس کا بہا دینا مستحب ہوتا ہے، دیہاتی اور شہری کتا برابر ہیں۔ برتن کو امر تعبدی کے طور پر سات دفعہ دھویا جائے گا۔ ان کے اصحاب میں سے جو مناظر لوگ ہیں یہی وہ

نقطہ نظر ہے جس پر ان کے اصحاب کا اتفاق ہے۔ ابن وہب نے ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے وہ عطا سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی: کتے اور درندے ان پر وارد ہوتے ہیں۔ فرمایا: ''ان کے لیے وہ کچھ ہے جو ان کے پیٹوں نے لے لیا اور ہمارے لیے وہ کچھ ہے جو باقی ہے، وہ مشروب بھی ہے اور پاکیزگی عطا کرنے والا ہے''۔ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے، یہ کتوں کی طہارت کے بارے میں اور جن چیزوں میں وہ منہ ڈال جاتے ہیں ان کی طہارت کے بارے میں نص ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں کتے آتے جاتے رہتے تھے وہ ان کی وجہ سے پانی وغیرہ نہیں بہاتے تھے (1)۔ حضرت عمرو بن عاص نے جب حوض والے سے یہ پوچھا: کیا تیرے حوض پر درندے آتے رہتے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! ہمیں اس کے بارے میں نہ بتانا، ہم درندوں پر وارد ہوتے ہیں اور وہ ہم پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ اسے امام مالک اور دار قطنی نے نقل کیا ہے۔ امام مالک نے درندوں اور کتوں کے بارے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ جس میں کتا منہ ڈال جائے اس پانی کے بہا دینے کے حکم سے مخالف کے لیے کوئی دلیل نہیں اور نہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بہانا نجاست کی وجہ سے ہے، امام مالک نے پانی بہانے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ نفس اسے ناپسند کرتا ہے اس وجہ سے بہانے کا حکم نہیں دیا کہ وہ ناپاک ہے کیونکہ غلیظ چیزوں سے بچنا مندوب ہے یا ان پر سختی کرنے کے لیے ہے کیونکہ انہیں گھروں میں رکھنے سے منع کیا گیا تھا، جس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری نے کہا: جب وہ اس سے باز نہ آئے تو پانی کے معاملہ میں ان پر سختی کی گئی کیونکہ بادیہ میں ان کے پاس پانی بہت ہی کم ہوتا ہے ان پر سختی کی جائے تا کہ وہ کتے رکھنے سے باز آ جائیں، جہاں تک برتن کو دھونے کا جو حکم ہے یہ عبادت ہے اس کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں جس طرح ہم نے دو دلیلیں ذکر کی ہیں: (۱) دھونے میں عدد داخل ہے (۲) اس میں مٹی کا عمل دخل رکھ دیا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''آٹھویں دفعہ اسے مٹی سے ملو''۔ اگر یہ حکم نجاست کی وجہ سے ہوتا تو تعداد اور مٹی کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہوتا جس طرح پیشاب کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلی اور بلی جس میں منہ ڈال جائے اس کو پاک قرار دیا ہے، بلی بھی درندہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ وہ چیرتی پھاڑتی ہے اور مردار کھاتی ہے۔ کتا بھی اسی طرح ہے اور درندے بھی اسی طرح ہیں، کیونکہ جب یہ ایک میں نص ہے تو دوسری میں بھی نص ہے۔ یہ قیاس کی اقسام میں سے قوی ترین قسم ہے یہ اس صورت میں ہے جب کوئی دلیل نہ ہو۔ ہم نے اس کی طہارت کے بارے میں نص کا ذکر کیا ہے پس مخالف کا قول ساقط ہو گیا۔ الحمدللہ

مسئلہ نمبر 7۔ وہ جاندار جس میں خون نہ ہو وہ پانی میں مر جائے تو وہ پانی کو کچھ نقصان نہ دے گا اگر اس کی بو کو نہ بدلے۔ اگر وہ بدبودار ہو جائے تو وہ اس کے ساتھ وضو نہ کرے، اسی طرح پانی کے جانور جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ان کا

1۔ ابو داؤد، باب فی طہور الارض اذا یبست، حدیث نمبر 325، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بھی یہ حکم ہوتا ہے جس طرح مچھلی اور مینڈک، ان چیزوں کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہو گا مگر اس صورت میں کہ بو متغیر ہو جائے۔ اگر بو متغیر ہو جائے اور پانی بدبودار ہو جائے تو اس کے ساتھ طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہوتا اور اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہوتا۔ امام مالک کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ جس میں بہنے والا خون ہو وہ پانی میں مر جائے اسے نکال لیا جائے اس کا رنگ بو اور ذائقہ نہ بدلا ہو تو وہ طاہر و مطہر رہے گا، خواہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ ہو؛ یہ مدینہ طیبہ کے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ان میں سے بعض نے اس امر کو مستحب جانا ہے کہ اس پانی سے کچھ ڈول نکال لیے جائیں تا کہ دل کو اطمینان ہو جائے۔ اس میں وہ کسی حد کا تعین نہیں کرتے جس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ ڈول نکالنے سے پہلے وہ پانی کے استعمال کو مکروہ خیال کرتے ہیں اگر اس سے نہانے یا وضو کرنے کے لیے اس پانی کو استعمال کیا تو یہ جائز ہو گا جب اس کی حالت وہی ہو جو ہم نے ذکر کی ہے۔ امام مالک کے بعض اصحاب کی رائے ہے: جس نے اس پانی سے وضو کیا اگرچہ اس کا پانی متغیر نہ ہوا ہو تو وہ تیمم کرے گا تو وہ احتیاط کے طریقہ پر دونوں طہارتوں کو جمع کرے گا، اگر اس نے ایسا نہ کیا اور اس پانی سے نماز پڑھ لی تو یہ جائز ہو گا۔

دارقطنی نے محمد بن سیرین سے روایت نقل کی ہے کہ ایک حبشی زمزم کے کنواں میں گر گیا یعنی مر گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں حکم دیا اسے باہر نکالا گیا اور آپ نے کنویں کا پانی نکالنے کا حکم دیا۔ کہا: وہ چشمہ ان پر غالب آ گیا جو حجر اسود کی جانب سے نکل رہا تھا، اسے قباطی (1) اور معارف (2) سے بند کیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے اس پانی کو نکالا، جب وہ ایک دفعہ پانی نکال چکے تو وہ چشمہ ان پر پھوٹ پڑا۔

ابو الطفیل سے روایت مروی ہے کہ ایک بچہ بئر زمزم میں گر پڑا تو اس کا سارا پانی نکالا گیا۔ یہ احتمال موجود ہے کہ پانی متغیر ہو چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شعبہ نے مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کہا کرتے تھے: ہر ایسا جانور جس میں بہنے والا خون ہو وہ اگر پانی میں مر جائے تو اس کے ساتھ وضو نہیں کیا جائے گا، لیکن گبریلا، بچھو، مکڑی اور جد جد (جھینگر) جب برتن میں گر جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ شعبہ نے کہا: میرا خیال ہے انہوں نے وزغہ (چھپکلی) کا ذکر کیا ہے؛ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ حسین بن اسماعیل، محمد بن ولید سے وہ محمد بن جعفر سے وہ شعبہ سے روایت نقل کرتے ہیں اور اسی چیز کو ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ جمہور صحابہ، مختلف شہروں کے فقہاء، حجاز اور عراق کے تابعین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس پانی میں بلی منہ ڈال جائے وہ پاک ہے اس کے جوٹھے سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں اس کی دلیل حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے؛ امام مالک اور دوسرے علماء نے اسے نقل کیا ہے (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے برعکس مروی ہے۔ عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب اور محمد بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے اس پانی کو بہانے کا حکم دیا جس میں بلی نے منہ ڈالا ہو اور اس برتن کو دھونے کا حکم دیا۔ حضرت حسن بصری سے بھی اس بارے میں اختلاف مروی ہے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ حضرت

1۔ کتان سے بنا ہوا کپڑا جو قبط کی طرف منسوب ہو۔

2۔ نقش و نگار والی ریشمی چادر

3۔ سنن ابی داؤد، باب سؤر الهرة، حدیث نمبر 68، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حسن بصری نے اس کے منہ میں نجاست دیکھی، تاکہ دونوں روایتیں آپ سے صحیح ہو جائیں۔

امام ترمذی نے جب امام مالک کی حدیث ذکر کی تو کہا: اس باب میں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، تابعین اور بعد کے اکثر علماء کا قول ہے، جس طرح امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہ۔ انہوں نے بلی کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں دیکھا؛ یہ اس باب میں سب سے اچھی چیز ہے۔ امام مالک نے اس حدیث کو اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے لیا ہے، امام مالک سے بڑھ کر اسے کسی نے مکمل نہیں لیا۔

حافظ ابوعمرو نے کہا: تنازع اور اختلاف کے وقت دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، حضرت ابوقتادہ کی حدیث ثابت ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے بلی کے لیے برتن کو جھکایا یہاں تک کہ بلی نے پانی پیا۔ ہر شہر کے فقہاء نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے موافق قول کرنے والوں نے اختلاف کیا ہے وہ بلی کے جوٹھے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ یہ بھی کہا: اگر کسی نے اس کے ساتھ وضو کیا تو یہ جائز ہوگا۔ میں اس آدمی کے لیے کوئی اس سے اچھی دلیل نہیں پاتا جو بلی کے جوٹھے کو مکروہ کہتا ہے کہ اسے حضرت ابوقتادہ کی حدیث نہیں پہنچی، اسے کتے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پہنچی ہے تو اس نے بلی کو بھی اس پر قیاس کر لیا ہو۔ سنت نے دونوں کے درمیان فرق کر دیا ہے کہ برتن دھونے کا حکم امر تعبدی ہے دلیل قائم کرنے میں سنت جس سے جھگڑا کرے وہ اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور جس کی مخالفت کرے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ ان کی دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے جسے قرہ بن خالد نے محمد بن سیرین سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ”جب بلی برتن میں منہ ڈال جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک یا دو بار دھویا جائے“۔ قرہ کو شک ہے۔ اس حدیث کو قرہ بن خالد کے سوا کسی نے بھی مرفوع نقل نہیں کیا۔ قرہ ثقہ اور ثبت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ وہ حدیث ہے جسے دار قطنی نے نقل کیا ہے اس کا متن یہ ہے: ”جب کتا پانی میں منہ ڈال جائے تو برتن کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات دفعہ دھویا جائے پہلی دفعہ مٹی سے دھویا جائے، جب بلی منہ ڈال جائے تو ایک یا دو دفعہ دھویا جائے“۔ قرہ کو شک ہوا ہے۔ ابوبکر نے کہا: اسی طرح ابو عاصم نے اسے مرفوع روایت کیا ہے، دوسرے علماء نے قرہ سے کتے کے بارے میں روایت مرفوع اور بلی کے بارے موقوف نقل کی ہے۔

ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بلی کے جوٹھے سے برتن کو دھویا جائے گا جس طرح کتے کے جوٹھے سے برتن کو دھویا جائے گا“۔ دار قطنی نے کہا: یہ مرفوع ثابت نہیں محفوظ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے ان سے مختلف روایات منقول ہیں۔ معمر اور ابن جریج نے ابوطاؤس سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ بلی کو کتے کی مثل قرار دیتے تھے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے اس برتن کے بارے میں کہا جس میں بلی منہ ڈال جاتی ہے: اسے سات دفعہ دھو ڈالو؛ یہ دار قطنی نے کہا۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب وضو کرنے والے کے اعضاء پاک ہوں تو ماء مستعمل بھی پاک ہوگا مگر امام مالک اور عظیم فقہاء کی

جماعت ایسے پانی کے ساتھ وضو کو ناپسند کرتی تھی۔ امام مالک نے کہا: اس میں کوئی بھلائی نہیں، میں کسی کے لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ اس کے ساتھ وضو کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا اور نماز پڑھی پس اس پر نماز کا اعادہ نہیں دیکھتا اور اگلی نماز کے لیے وہ وضو کرے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور دونوں کے اصحاب نے کہا: اگر پہلے وضو نہ ہوا تو ایسے پانی کا استعمال جائز نہیں جس نے اس کے ساتھ وضو کیا وہ دوبارہ وضو کرے کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں، جو آدمی صرف یہی پانی پائے وہ پانی پانے والا نہیں۔ اس بارے میں اصبغ بن فرج نے انہیں جیسا قول کیا ہے، یہ اوزاعی کا قول ہے۔ انہوں نے صنابحی کی حدیث سے استدلال کیا ہے عمرو بن عنبسہ کی حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے اس کے علاوہ بھی آثار موجود ہیں۔ انہوں نے کہا: پانی سے جب وضو کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ خطائیں نکل جاتی ہیں، اس سے بچنا واجب ہے کیونکہ یہ گناہوں کا پانی ہے۔ ابوعمرو نے کہا: میرے نزدیک اس کی کوئی توجیہ نہیں کیونکہ گناہ پانی کو آلودہ نہیں کرتے کیونکہ نہ ان گناہوں کی ذاتیں ہیں اور نہ ہی اجسام ہیں جو پانی سے ملیں اور اسے فاسد کر دیں۔ خرجت الخطایا مع الماء کا معنی ہے یہ بتایا جائے کہ نماز کے لیے وضو ایسا عمل ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مومن بندوں سے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، یہ اس کی جانب سے رحمت اور فضل و احسان کے طور پر ہوتا ہے۔ ابوثور اور داؤد نے امام مالک کے قول کی مثل قول کیا ہے کہ مستعمل پانی کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ پاک پانی ہے اس کے ساتھ کوئی چیز ملی ہوئی نہیں یہ مطلق پانی ہے۔ اس کے پاکیزہ ہونے پر انہوں نے اجماع امت سے استدلال کیا ہے جب وضو کرنے والے کے اعضاء میں نجاست نہ ہو؛ ابوعبداللہ مروزی محمد بن نصر اس طرف گئے ہیں۔

حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عمر، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم، عطاء بن ابی رباح، حضرت حسن بصری، امام نخعی، مکحول اور زہری نے کہا: جو آدمی سر پر مسح کرنا بھول گیا اس نے اپنی ڈاڑھی میں تری پائی اس کے لیے جائز ہے کہ اس تری کے ساتھ اپنے سر کا مسح کر لے۔ ان سب نے مستعمل پانی سے وضو کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

عبدالسلام بن صالح، اسحاق بن سوید سے وہ علاء بن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا ہوا تھا آپ کے جسم کا ایک حصہ ایسا تھا جس تک پانی نہیں پہنچا تھا۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! یہ وہ حصہ ہے جہاں پانی نہیں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لمبے بال تھے تو اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں سے یوں کر دیا اور اس حصہ کو تر کر دیا؛ اسے دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ عبدالسلام بن صالح نے کہا، یہ بصری نے کہا: وہ قوی نہیں۔ کئی اور ثقہ لوگ اسے اسحاق سے اور وہ حضرت علاء سے مرسل روایات نقل کرتے ہیں۔ یہی درست ہے۔

میں کہتا ہوں: ثقہ راوی اسحاق بن سوید عدوی سے وہ علاء بن زید عدوی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ یہ وہ حدیث ہے جسے ہشیم نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: مستعمل پانی کا مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ آلہ کے ساتھ جب ایک دفعہ فرض ادا کیا جائے کیا اس کے ساتھ کوئی اور فرض ادا کیا جا سکتا ہے یا ادا نہیں کیا جا سکتا؟ مخالف نے غلام پر قیاس کرتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے جب اس نے اس کے ساتھ ایک دفعہ غلام آزاد کرنے کا فرض ادا کر

دیا تو ایک دوسرے فرض کو ادا کرنا صحیح نہ ہوگا، یہ قول باطل ہے، کیونکہ جب اس نے ایک دفعہ غلام آزاد کر دیا تو اس کو تلف کر دیا تو دوسری دفعہ آزادی کے ساتھ فرض کی ادائیگی کا محل باقی نہ رہا۔ اس کی مثل وہ پانی ہے جو اعضاء پر تلف ہو چکا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کسی اور فرض کی ادائیگی صحیح نہیں، کیونکہ اس کا عین تلف ہو چکا ہے جس طرح غلام کو آزاد کرنے کی صورت میں غلام حکماً تلف ہو چکا ہے، یہ نفیس بحث ہے اس پر غور وفکر کرو۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مالک اور آپ کے اصحاب نے اس پانی میں کوئی فرق نہیں کیا جس میں نجاست گر پڑتی ہے اور جو پانی اس نجاست پر پڑتا ہے وہ پانی کھڑا ہو یا کھڑا نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جو پانی پر غالب آجائے اور اس کے ذائقہ، اس کے رنگ اور بو کو بدل دے''۔ امام شافعی نے ان میں فرق کیا ہے انہوں نے کہا: جب نجاست پانی میں گرے تو وہ پانی کو ناپاک کر دیتی ہے؛ ابن عربی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ کہا: پانی کے احکام کے بارے میں شریعت کے اصول یہ ہیں کہ پانی کا نجاست پر وارد ہونا اس طرح نہیں جس طرح پانی نجاست پر وارد ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''تم میں سے جب کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں داخل نہ کرے یہاں تک کہ اسے تین دفعہ دھوئے کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے''، ہاتھ کو پانی پر وارد ہونے سے منع کیا اور پانی کو ہاتھ پر وارد کرنے کا حکم دیا۔ اس باب میں یہ بہت عمدہ ضابطہ ہے اگر پانی کا ورود نجاست پر نہ ہوتا وہ تھوڑا ہوتا یا زیادہ ہوتا تو وہ نجاست پاک نہ ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کے پیشاب کے بارے میں ارشاد فرمایا جس نے مسجد میں پیشاب کیا تھا ''اس پر پانی کے ڈول بہا دو''۔

ہمارے شیخ ابو العباس نے کہا: انہوں نے حدیث قلتین سے بھی استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا: جب پانی دو مشکوں سے کم ہو اس میں نجاست گر پڑے تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔ اگر اتنی مقدار یا اس سے کم نجاست پر واقع ہو اور نجاست کے عین کو زائل کر دے تو پانی طہارت پر باقی رہے گا اور نجاست کو زائل کر دے گا۔ نجاست کا پانی پر واقع ہونا یہ صوری فرق ہے اس میں فقہ کا کوئی تعلق نہیں یہ باب امور تعبدیہ سے نہیں بلکہ امور معقولہ میں سے ہیں یہ نجاست کو زائل کرنے اور اس کے احکام سے متعلق ہے، پھر یہ سب ان علماء کی باتیں ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد رد کر دیتا ہے: الماء طهور لا ينجسه شیء إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه، پانی پاکیزگی عطا کرنے والا ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جب اس کے رنگ، ذائقہ اور بو کو تبدیل کر دے۔

میں کہتا ہوں: یہ ایسی حدیث ہے جسے دار قطنی نے اشد بن سعد ابی الحجاج سے وہ معاویہ بن صالح سے وہ راشد بن سعد سے وہ حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں اس میں رنگ کا ذکر نہیں۔ کہا: اسے رشدین بن سعد کے سوا کسی نے مرفوع نقل نہیں کیا، اس کی سند یہ ہے کہ وہ معاویہ بن صالح سے روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ قوی نہیں استدلال میں جو سب سے اچھا ہے وہ وہ روایت ہے جسے ابو امامہ نے ولید بن کثیر سے وہ محمد بن کعب سے وہ عبداللہ بن عبداللہ بن رافع بن خدیج سے وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عرض کی

گئی: یا رسول اللہ! کیا ہم بئر بضاعہ سے وضو کر لیا کریں، یہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض آلود کپڑے، مردہ کتوں اور بدبودار چیزوں کو پھینکا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" (1)۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور دارقطنی نے اس سند سے روایت کیا ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، ابو امامہ نے اس حدیث کو بہت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بئر بضاعہ کے بارے میں جو حدیث ہے حضرت ابو امامہ سے بہتر کسی نے اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔ یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ نجاست پانی پر واقع ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طہارت کا حکم دیا ہے اور اس کے مطہر ہونے کا حکم لگایا ہے۔ ابو داؤد نے کہا: میں نے قتیبہ بن سعید سے سنا کہا: میں نے بئر بضاعہ کے قیم (منتظم) سے اس کی گہرائی کے بارے میں سوال کیا میں نے کہا: اس میں زیادہ سے زیادہ کتنا پانی گہرا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: انسان کے خصیتین تک پانی پہنچ جاتا ہے۔ میں نے پوچھا: جب وہ کم ہوتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: انسان جتنے حصہ کو ڈھانپتا ہے اس سے نیچے کے حصے تک۔ ابو داؤد نے کہا: میں نے اپنی چادر سے بئر بضاعہ کا اندازہ لگایا میں نے اسے اس کنواں پر لمبا کیا تھا پھر میں نے اسے ماپا تو اس کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی۔ جس نے میرے لیے باغ کا دروازہ کھولا تھا اور مجھے باغ میں داخل کیا تھا میں نے اس سے پوچھا: کیا جتنا یہ کنواں تھا اس میں تبدیلی کی گئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں نے اس میں پانی کو دیکھا جس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ہم نے جو ذکر کیا ہے اس پر یہ دلیل ہے، مگر ابن عربی نے کہا: یہ شوریدہ زمین میں تھا اور پانی اس میں کھڑا ہونے سے متغیر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وہ پانی جو طاہر (پاک) اور مطہر (پاک کرنے والا) ہوتا ہے جس کے ساتھ وضو کرنا اور نجاستوں کو دھونا جائز ہے وہ خالص صاف پانی ہے یہ بارش کا، دریاؤں، سمندروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی ہے اور جسے لوگ ماء مطلق پہچانتے ہیں یہ کسی ایسی چیز کی طرف مضاف نہیں ہوتا جو اس کے ساتھ مل جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے صاف پیدا کیا زمین کا رنگ اسے کوئی نقصان نہیں دیتا، جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس مجموعی صورت میں امام ابو حنیفہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا ہے، جہاں تک حضرت امام ابو حنیفہ کا تعلق ہے آپ نے حالت سفر میں نبیذ تمر (کھجور کی نبیذ) سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے اور ہر مائع سے نجاست زائل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ جہاں تک تیل اور شوربے کا تعلق ہے ان سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ازالہ کرنا جائز نہیں مگر ان کے اصحاب کہتے ہیں جب اس کے ساتھ نجاست زائل ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے اسی طرح آگ اور سورج کی شعاع کا مسئلہ ہے یہاں تک کہ مردار کی جلد جب سورج کی تمازت میں خشک ہو جائے تو دباغت کے بغیر وہ پاک ہو جاتی ہے اسی طرح ایسی نجاست جو زمین پر واقع ہو جب وہ سورج کی تمازت سے خشک ہو جائے تو وہ جگہ پاک ہو جائے گی اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہو جائے گا، مگر اس مٹی کے ساتھ تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے پانی کی صفت بیان کی کہ وہ طہور ہے تو اس کو آسمان سے نازل کرنے پر احسان جتلایا تاکہ اس کے ذریعے ہمیں پاک کرے تو یہ اسی کے ساتھ خاص ہونے پر دال ہے اسی طرح

1۔ سنن ابن ماجہ، باب مقدار الماء الذی لا ینجس، حدیث 513۔ سنن ابی داؤد، باب ما جاء فی بئر بضاعۃ، حدیث 60، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے فرمایا جب انہوں نے اس حیض کے خون کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جاتا ہے: ''اسے لو پھر انگلیوں کے ساتھ اسے کھرچ دو پھر پانی کے ساتھ اسے مل دو''۔ اس لیے پانی کے علاوہ چیز کو پانی کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں احسان کا ابطال ہوتا ہے۔ نجاست کوئی محسوس چیز تو نہیں یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ جو بھی اس کو زائل کردے تو اس کے ساتھ غرض قائم ہو جائے۔ نجاست حکم شرعی ہے شارع نے اس کے لیے پانی کو معین کیا اس لیے غیر کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ غیر اس کے معنی میں نہیں کیونکہ اگر یہ اس کے ساتھ لاحق ہو تو اس کو ساقط کردے جب فرع کا اصل کے ساتھ الحاق اس کے اسقاط میں ہو تو یہ خود ساقط ہو جاتا ہے تاج السنۃ ذوالعز بن المرتضی دبوسی اسے فرخ زنی (زنا کا چوزہ) کا نام دیتے۔

میں کہتا ہوں: نبیذ کے استعمال کے بارے میں جن روایات سے استدلال کیا گیا ہے وہ کمزور احادیث ہیں ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل پر قائم نہیں۔ دار قطنی نے ان کا ذکر کیا، ان کو ضعیف قرار دیا اور اس پر گفتگو کی۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو موقوف روایات مروی ہیں انہیں بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے: ''جو آدمی پانی نہ پائے اس کے لیے نبیذ وضو کا پانی ہے''۔ اس کی سند میں ابن محرز متروک ہے، اسی طرح حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا: نبیذ کے ساتھ وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حجاج اور ابو لیلی دونوں ضعیف ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث بھی ضعیف قرار دی گئی ہے(1) کہا: ابن لہیعہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہیں وہ حدیث میں کمزور ہے؛ علقمہ بن قیس سے یہ نقل کیا گیا ہے میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا جس رات آپ کے پاس جنوں کا داعی آیا تھا؟ فرمایا: نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح سند ہے اس کے راویوں کی عدالت میں کوئی اختلاف نہیں، امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سوال کیا: ''تیرے مشکیزہ میں کیا ہے؟'' میں نے کہا: نبیذ ہے۔ فرمایا: ''پاکیزہ کھجور اور پاکیزگی عطا کرنے والا پانی''۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث ابو زید سے مروی ہے وہ اسے حضرت عبد اللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ علماء حدیث کے نزدیک ابو زید مجہول ہے، اس حدیث کے علاوہ ہم اس کی کسی روایت کو نہیں جانتے۔ بعض علماء نے نبیذ سے وضو کرنے کی رائے قائم کی ہے، ان میں سفیان اور دوسرے علماء بھی ہیں۔ بعض علماء نے کہا: نبیذ سے وضو نہیں کیا جائے گا، یہ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا نقطہ نظر ہے اگر کسی آدمی کو اس قسم کی صورتحال کا سامنا ہو تو وہ نبیذ سے وضو کرے اور تیمم کرے یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: جو آدمی یہ کہتا ہے نبیذ سے وضو نہیں کیا جائے گا اس کا قول کتاب اور سنت کے زیادہ قریب اور زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (النساء: 43) یہ مسئلہ اختلافی کتب میں بہت طویل بحث کے ساتھ مذکور ہے انحصار لفظ ماء پر ہے اس کی وضاحت سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ، حدیث نمبر 377، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 12۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا اور فرمایا: لیطھرکم بہ ایک جماعت نے سمندر کے پانی کے بارے میں توقف کیا ہے کیونکہ یہ منزل من السماء کی صفت پر نہیں یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی کہ وہ سمندر کے پانی سے وضو نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ آگ ہے اور جہنم کا ایک طبق ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم اس آدمی کے لیے بیان کیا جس نے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ ھو الطھور ماءہ الحل میتتہ، اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے، امام مالک نے اسے روایت کیا ہے اس کے بارے میں ابوعیسیٰ نے یہ کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کا یہی قول ہے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے وہ سمندر کے پانی میں کوئی حرج نہ دیکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: وہ آگ ہے۔ ابوعمر نے کہا: امام ترمذی، ابوعیسیٰ سے امام مالک کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو صفوان بن سلیم سے مروی ہے فرمایا: میرے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: میں نے امام بخاری سے پوچھا ہشیم اس کے بارے میں کہتا۔ ابن ابی برزہ، فرمایا: اسے اس میں وہم ہوا ہے وہ مغیرہ بن ابی بردہ ہے۔ ابوعمر نے کہا: میں نہیں جانتا امام بخاری سے یہ کیا واقع ہوا۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو اسے اپنی صحیح میں نقل کرتے انہوں نے ایسا نہ کیا کیونکہ وہ صحیح میں اسناد پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ حدیث ایسی ہے جس کی مثل اسناد سے وہ استدلال نہیں کرتے۔ وہ میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ علماء نے اسے قبول کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ مجموعی طور پر فقہاء میں سے کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا، انہوں نے اس کے بعض معانی میں اختلاف کیا ہے۔ علماء میں سے جمہور اور فقہاء کے ائمہ میں سے ایک جماعت نے یہ اتفاق کیا ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اس کے ساتھ وضو جائز ہے مگر جو حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ان دونوں نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے زمانہ کے فقہاء نے ان کی موافقت نہیں کی اور اس باب کی حدیث کی وجہ سے کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ یہ امر تیری رہنمائی اس بات پر کرتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک مشہور ہے، ان کا عمل اور ان کا قبول کرنا مشہور ہے، یہ ان کے نزدیک اس اسناد سے اولیٰ ہے جس کی سند ظاہری اعتبار سے صحیح ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اصول اس کو رد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ابوعمر نے کہا: صفوان بن سلیم جو حمید بن عبدالرحمن بن عوف زہری کے غلام تھے اور اہل مدینہ کے عبادت گزاروں اور ان میں سے سب سے متقی تھے، عبادت گزار، بہت زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والے جو بھی تھوڑا یا زیادہ پاتے صدقہ کر دیتے، بڑے عامل اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے والے جنہیں ابوعبداللہ کے نام سے یاد کیا جاتا وہ مدینہ طیبہ میں رہے اس سے نقل مکانی نہ کی اور ایک سو بتیس ہجری میں وہاں ہی فوت ہوئے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ذکر کیا: میں نے سنا جب کہ آپ سے صفوان بن سلیم کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا۔ فرمایا: وہ ثقہ تھے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں سے اور فاضل مسلمانوں میں سے تھے، جہاں تک سعید بن سلمہ کا تعلق ہے جس قدر میرا علم ہے صفوان کے علاوہ کسی نے ان سے روایت نہیں کی۔ اللہ

تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ جس کا یہ حال ہو وہ مجہول ہوتا ہے کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں کی۔ جہاں تک مغیرہ بن ابی بردہ کا تعلق ہے موسیٰ بن نصیر نے مغرب میں جو مغازی کیے ان میں، میں نے اس کا ذکر بار ہا کیا ہے موسیٰ بن نصیر اسے گھوڑوں پر عامل بناتا۔ بربر کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے خشکی اور سمندر میں فتوحات عطا کیں۔ دارقطنی نے امام مالک کے علاوہ ایک اور سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من لم یطهره ماء البحر فلا طهره الله جسے سمندر کا پانی پاک نہ کرے اللہ تعالیٰ اسے پاکیزگی عطا نہ کرے۔ کہا: اس کی سند حسن ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ ابن عربی نے کہا: کچھ لوگوں کا وہم ہے کہ جب پانی جنبی کے غسل سے بچ جائے تو اس سے وضو نہ کیا جائے گا، یہ باطل مذہب ہے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے یہ ثابت ہے انہوں نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقوق زوجیت ادا کیے، میں نے ایک ٹب نما برتن سے غسل کیا اور کچھ پانی بچا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تاکہ اس سے غسل کریں میں نے عرض کی: میں نے اس سے غسل کیا ہے۔ فرمایا: ''پانی پر کوئی نجاست نہیں'' یا فرمایا ''پانی جنبی نہیں ہوتا''۔ ابوعمرو نے کہا: اس باب میں ایسے مرفوع آثار وارد ہوئے ہیں جن میں یہ نہی کی گئی ہے کہ آدمی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ بعض نے بعض روایات میں یہ اضافہ کیا ہے ''لیکن وہ دونوں اکٹھے چلو بھریں''۔ ایک جماعت کا قول ہے: یہ جائز نہیں کہ مرد عورت کے ساتھ ایک برتن میں چلو بھرے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر رہا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ مکروہ ہے کہ عورت تنہا ایک برتن سے پانی استعمال کرے پھر اس کے بعد اس کے بچے ہوئے پانی سے مرد وضو کرے۔ ہر ایک نے جو نقطہ نظر اپنایا ہے اس کے بارے میں ایک اثر روایت کیا ہے۔ جمہور علماء اور شہروں کے فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے اور عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ عورت منفرد ہو کر برتن سے پانی لے یا نہ لے۔ اس میں بے شمار آثار ہیں جو صحیح ہیں۔ جس نقطہ نظر کی طرف ہم گئے ہیں کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے اس لیے ایسے آثار اور اقوال میں مصروف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں جو صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے: میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے جس برتن کو فرق کہا جاتا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیوی نے ٹب نما برتن سے غسل کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وضو کیا۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں حالت جنابت میں تھی، فرمایا: ''پانی جنبی نہیں ہوتا''۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے؛ یہ حضرت سفیان ثوری، امام مالک اور

1۔ سنن الترمذی، باب ماجاء فی وضوء الرجل، حدیث نمبر 57، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

امام شافعی کا نقطہ نظر ہے(1)۔ دارقطنی نے عمرہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتی ہیں کہا: میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے وضو کیا کرتے تھے جب کہ اس سے قبل بلی نے اس برتن سے پانی پیا تھا۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے(2)۔ بنی غفار کے ایک آدمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کیا ہے(3) اس باب میں حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت مروی ہے بعض فقہاء نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ جانا ہے؛ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے(4)۔

مسئلہ نمبر 14۔ دارقطنی نے زید بن اسلم جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے برتن میں پانی گرم کیا جاتا جس برتن کو قمقمہ کہا جاتا، آپ اس پانی سے غسل کیا کرتے تھے۔ کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے جب کہ میں نے دھوپ میں پانی کو گرم کیا تھا۔ فرمایا ''اے حمیراء! ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ برص کا مرض لگا دیتا ہے''۔ اسے خالد بن اسماعیل مخزومی نے ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ خالد بن اسماعیل متروک ہے اسے عمرو بن محمد اعشم وہ فلیح سے وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ وہ منکر الحدیث ہے کسی اور نے اسے فلیح سے نقل کیا ہے زہری سے صحیح نہیں، یہ دارقطنی نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ ہر وہ برتن جو پاک ہو اس کے ساتھ وضو کرنا جائز ہے مگر سونے اور چاندی کے برتن سے وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے استعمال سے منع کیا ہے اس کی وجہ عجمیوں اور جابروں کے ساتھ مشابہت ہے ان کی نجاست نہیں ہے۔ جس نے ان دونوں سے وضو کیا وہ ان برتنوں کے استعمال کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے کسی ایک میں وضو کرنا جائز نہیں۔ پہلا قول زیادہ معروف ہے؛ یہ ابو عمر کا قول ہے۔ ہر جلد جس کے جانور کو ذبح کیا گیا ہو تو اس کا استعمال وضو اور دوسرے امور کے لیے جائز ہے، امام مالک مردار کی جلد کی دباغت کے بعد اس سے وضو کو مکروہ خیال کرتے تھے، امام مالک کا قول اس بارے میں مختلف ہے سورۂ نحل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

لِّنُحۡیِۦَ بِهِۦ بَلۡدَةً مَّیۡتًا وَنُسۡقِیَهُۥ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ أَنۡعَـٰمًا وَأَنَاسِیَّ كَثِیرًا ۝٤٩

''تا کہ ہم زندہ کر دیں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلائیں یہ پانی اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو''۔

لِّنُحۡیِۦَ بِهِۦ، ہ ضمیر سے مراد بارش ہے۔ بَلۡدَةً مَّیۡتًا وہ بستی خشک سالی اور نباتات کے نہ ہونے کی وجہ سے مردہ ہو چکی ہو۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب الماء لا یجنب، حدیث نمبر 62۔ ابن ماجہ، باب الرخصۃ بفضل وضوء المرأۃ، حدیث نمبر 363، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، باب الوضوء بسؤر الھرۃ، حدیث نمبر 361، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، باب النھی عن ذلک، حدیث نمبر 366، سنن ابی داؤد، باب النھی عن ذلک، حدیث 75۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 59-58، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 58، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کعب نے کہا: بارش زمین کی روح ہے اللہ تعالیٰ اسے بارش کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ مَّيْتًا فرمایا، ميتة نہیں فرمایا، کیونکہ بلدۃ اور بلد کا معنی ایک ہی ہے، یہ زجاج کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلد سے مراد مکان ہے۔ وَّنُسْقِيَهٗ عام قراءت نون کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، اعمش اور عاصم جو مفضل نے ان دونوں سے قراءت نقل کی ہے وہ نَسْقِيه ہے اس میں نون مفتوح ہے۔

مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا بہت زیادہ انسان۔ اناسی کا واحد انسی ہے جس طرح قرقور کی جمع قراقیر اور قراقر ہے، یہ اخفش، مبرد اور فراء کا ایک قول ہے۔ اس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی واحد انسان ہے پھر نون کو یاء سے بدل دیا تو کہے گا: اناسی، اصل میں یہ اناسین تھا جس طرح سرحان اور سراحین اور بستان کی جمع بساتین ہے انہوں نے یاء کو نون کا عوض قرار دیا، اسی وجہ سے سراحی اور بساتی بھی جائز ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ فراء نے کہا: اناسی اس یاء کی تخفیف کے ساتھ جو فعل کے لام اور عین کلمہ کے درمیان ہے جس طرح قراقیر اور قراقر ہے۔ کثیرا فرمایا کثیرین نہیں فرمایا، کیونکہ فعیل سے بعض اوقات کثرت مراد ہوتی ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

"اور ہم بانٹتے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان تاکہ وہ غور و فکر کریں، پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ وہ ناشکر گزار بنیں گے"۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ، ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے، سورت کے آغاز میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے { تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ کفورا یعنی اس کا انکار کرتے ہوئے اور اسے جھٹلاتے ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ میں ہ ضمیر سے مراد بارش ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کوئی ایسا سال نہیں جو کسی سال کی بنسبت زیادہ بارش والا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اسے جہاں چاہتا ہے پھیر دیتا ہے کسی علاقہ کے لوگوں پر بارش زیادہ ہو رہی ہوتی ہے کسی علاقہ میں وہ کم ہو رہی ہوتی ہے۔ تصریف کا یہی معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ اسے وابل، طش، طل اور رہام کی صورت میں پھیر دیا۔ جوہری نے کہا: رہام سے مراد ہلکی بارش ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تصریف سے مراد اس کے ذریعے مختلف منافع دینا ہے جیسے پانی پینا، سیراب کرنا، اس کے ذریعے کاشت کرنا، پاکیزگی حاصل کرنا، باغوں کو سیراب کرنا، غسل کرنا وغیرہ۔

عکرمہ نے کہا: فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا سے مراد ان کا ستاروں کے بارے میں یہ کہنا ہے: فلاں ستارے کی وجہ سے ہمارے اوپر بارش ہوئی۔ نحاس نے کہا: ہم مفسرین میں کوئی اختلاف نہیں پاتے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں کفر سے مراد ان کا یہ کہنا ہے: ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی، اس کی مثل ان کا یہ قول ہے: فعل النجم کذا ستارے نے

ایسا کیا۔ جو آدمی بھی ستارے کی طرف کسی فعل کو منسوب کرے تو وہ کافر ہے۔ حضرت ربیع بن صبیح نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک رات لوگوں پر بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں لوگ دو حصوں میں بٹ گئے ہیں شکر گزار اور ناشکرے جہاں تک شکر گزار کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے کہ اس نے اسے سیراب کیا اور اس پر بارش کی۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ کہتا ہے: ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی''۔ اس کی صحت پر اتفاق ہے اور سورۂ واقعہ میں ان شاء اللہ یہ روایت آئے گی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ما من سنة بامطر من اخری ولکن اذا عمل قوم بالمعاصی صرف اللہ ذلك الی الفیافی والبحار کوئی سال دوسرے سال کی بنسبت زیدہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن جب کوئی قوم نافرمانیاں کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس بارش کو دوسروں کی طرف پھیر دیتا ہے جب سب لوگ نافرمانیاں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو جنگلوں اور سمندروں کی طرف پھیر دیتا ہے''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تصریف یہ ہوا کی طرف راجع ہے سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے لیذ کروا تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یہ ذکر سے مشتق ہے باقی قراء نے تذکر سے تثقیل کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کریں اور یہ جان لیں کہ جو اس پر انعام کرے اس کے ساتھ شرک کرنا جائز نہیں تذکر، ذکر کے قریب ہے مگر تذکر کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو دل سے دور ہو تو اسے تذکر میں تکلف کی ضرورت ہوتی ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿٥٢﴾

''اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں ایک ڈرانے والا، پس کافروں کی پیروی نہ کرو اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا کرو ان کا (قرآن کی دلیلوں) سے''۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا نذیر سے مراد رسول ہے یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک رسول بھیج دیتے جو انہیں ڈرائے جس طرح ہم نے بارش کو تقسیم کیا تا کہ آپ سے نبوت کے بوجھ کم ہو جائیں لیکن ہم نے ایسا نہ کیا بلکہ ہم نے آپ کو سب کے لیے نذیر بنایا تا کہ تیرا درجہ بلند ہو جائے پس اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجالاؤ۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ کفار آپ کو اپنے بتوں کی اتباع کی جو دعوت دیتے ہیں اس میں کافروں کی اطاعت نہ کرو۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہ ضمیر سے مراد قرآن ہے۔ ابن زید نے کہا: مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تلوار ہے، یہ قول حقیقت سے بعید ہے، کیونکہ سورت مکی ہے اور قتال کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔ **جِهَادًا كَبِیْرًا** یعنی ایسا جہاد جس میں سستی اور کاہلی کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا

بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

''اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری ہے اور بنا دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ''۔

وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ کلام نعم کے ذکر کی طرف راجع ہے مَرَجَ کا معنی تخلیہ، خلط ملط کرنا اور بھیجنا ہے۔ مجاہد نے کہا: دونوں کو بھیجا اور ایک کو دوسرے میں بہایا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ دونوں کو خلط ملط کر دیا پس دونوں آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مرجتُه جب تو اسے خلط ملط کر دے۔ مرج الدین والامر دین اور امر خلط ملط ہو جائے اور مضطرب ہو جائے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ﴿﴾ (ق) اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو فرمان ہے: إذا رأيت الناس مرجت عهودهم وخفت أماناتهم وكانوا هكذا وهكذا(1) جب تو لوگوں کو دیکھے کہ ان کے عہد و پیمان خلط ملط ہو جائیں اور ان کی امانتیں ہلکی ہو جائیں اور وہ اس طرح گڈمڈ ہو جائیں آپ نے انگلیوں کا جال بنایا، میں نے عرض کی: میں اس وقت کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔ فرمایا: الزم بيتك وأملك عليك لسانك وخذ بما تعرف ودع ما تنكر وعليك بخاصة امر نفسك ودع عنك أمر العامة اپنے گھر میں ہی رہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو جسے پہچانتے ہو وہ لے لو اور جس سے تو ناواقف ہے اس کو چھوڑ دو اپنے ذاتی امر کو اپنے اوپر لازم کرو اور عام لوگوں کے امور کو ترک کر دو۔ امام نسائی، ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔

ازہری نے کہا: مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ سے مراد ہے دونوں میں آڑ بنادی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مرجتُ الدابة۔ جب تو جانور کو چرنے کے لیے چھوڑ دے۔ ثعلب نے کہا: مرج کا معنی جاری کرنا ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ کا معنی ہے دونوں کو جاری کیا۔ اخفش نے کہا: ایک قوم کہتی ہے: امرج البحرین یہ مرج کی طرح ہے فعل اور افعل کا باب ایک ہی معنی میں ہے۔

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ یہ بہت ہی میٹھا ہے وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور یہ بہت ہی نمکین اور کڑوا ہے۔ حضرت طلحہ سے یہ مروی ہے کہ اسے وھذا ملیح بھی پڑھا گیا ہے یعنی میم پر فتحہ اور لام کے نیچے کسرہ ہے۔ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا یعنی ان دونوں کے درمیان اپنی قدرت سے رکاوٹ بنادی ان میں سے ایک دوسرے پر غالب نہیں آتا، جس طرح سورۂ رحمن میں فرمایا: مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ (الرحمن)

وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا مضبوط پردہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ اختلاط سے روکتا ہے، برزخ سے مراد رکاوٹ اور حجر سے مراد روکنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد بحر فارس اور بحر روم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: مراد آسمان اور زمین کا سمندر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہر سال میں ملتے ہیں اور ان کے درمیان اس کی قضاء کا پردہ حائل ہے۔ ان پر قطعی حرام ہے کہ یہ اپنی مٹھاس کے ذریعے اس نمکین کو میٹھا کر دے اور اس میٹھے کو نمکین کے ساتھ نمکین کر دے۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب الامر والنہی، حدیث نمبر 3739، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾

"اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندان والا اور سسرال والا اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا، ہ ضمیر سے مراد انسان ہے یعنی انسان کو نسب اور سسرال والا بنا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْمَاءِ سے خلقت کی اصل کی طرف اشارہ ہے کہ یہ زندہ پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان نعمتوں کا شمار ہے جو اس کے عدم کے بعد اس سے ایجاد کی صورت میں کی گئیں اور اس میں عبرت پر تنبیہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا نسب اور صہر دو ایسے معانی ہیں جو ہر رشتہ کو عام ہیں جو دو آدمیوں کے درمیان موجود ہوتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: نسب سے مراد مذکر اور مونث کے پانی کا شرعی طریقہ سے خلط ملط ہونا ہے۔ اگر وہ ملاپ معصیت کی صورت میں ہو تو وہ مطلق خلق ہوگا وہ محقق نسب نہ ہوگا، اسی وجہ سے زنا سے جنم لینے والی بیٹی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ (النساء:23) کے تحت داخل نہ ہوگی، کیونکہ ہمارے علماء کے دو قولوں میں سے اصح قول کے نزدیک اور دین میں دو قولوں میں سے اصح قول کے نزدیک بیٹی نہیں۔ جب وہ شرعی طور پر نسب نہیں تو وہ شرعی طور پر صہر بھی نہیں تو فعل زنا بنت ام (ماں کی بیٹی) اور ام بنت (بیٹی کی ماں) کو حرام نہ کرے گی جو چیز حلال فعل سے حرام ہوتی ہے وہ حرام فعل سے حرام نہ ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نسب اور صہر کے ساتھ احسان جتلایا ہے ان کی قدر و منزلت کو بلند کیا ہے حلت اور حرمت میں ان دونوں پر احکام کو معلق کیا ہے تو باطل کو ان دونوں کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے ہم پلہ قرار دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: کسی بھی مرد کے اپنے زنا سے پیدا ہونے والی بیٹی، اس کی بہن، اور زنا سے جنم لینے والی پوتی سے نکاح میں اختلاف کیا گیا ہے، ایک قوم نے اسے حرام کہا ہے، ان میں حضرت ابن قاسم ہیں؛ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ فقہاء میں سے دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے ان میں عبد الملک بن ماجشون ہیں؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ فراء نے کہا: نسب سے مراد ہے جس کے ساتھ نکاح حلال نہ ہو اور صہر سے مراد ہے جس کے ساتھ نکاح حلال ہو، یہ زجاج کا قول ہے، یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ صہر کا اشتقاق صہرت الشیء سے ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے جب تو اسے خلط ملط کر دے دونوں صہروں میں سے ہر ایک اپنے صاحب سے خلط ملط ہو گیا۔ مناکح کو صہر کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صہر سے مراد نکاح کی قرابت ہے زوجہ کی قرابت اختان ہیں اور خاوند کی قرابت سسرال ہیں۔ اصہار کا لفظ ان سب پر واقع ہوتا ہے؛ یہ اصمعی کا قول ہے۔ اختان سے مراد بیوی کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا چچا ہے جس طرح اصمعی نے کہا: صہر سے مراد مرد کی بیٹی کا خاوند اس کا بھائی، اس کا والد اور اس کا چچا ہے۔ محمد بن حسن نے ابو سلیمان جوزجانی کی روایت میں کہا: مرد کے اختان سے مراد اس کی بیٹیوں کے

خاوند، اس کی بہنوں کے خاوند، اس کی پھوپھیوں کے خاوند اور اس کی خالاؤں کے خاوند ہیں اسی طرح ہر ذی رحم محرم کے خاوند ہیں اور اصہار سے مراد ان کی بیوی کے ذی رحم محرم رشتہ دار ہیں۔

نحاس نے کہا: بہتر یہ ہے کہ اصہار میں وہ قول کیا جائے جو اصمعی نے کیا ہے اور ان سب سے قبل جو قول کیا گیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: صھرت الشیء یعنی تو نے اسے خلط ملط کیا۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے سے خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اَختان میں وہ قول بہتر ہے جو محمد بن حسین نے کیا ہے یہ دو وجوہ سے بہتر ہے: (۱) حدیث مرفوع ہے محمد بن اسحاق، یزید بن عبداللہ بن قسیط سے وہ محمد بن اسامہ بن زید سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أما أنت یا علی فختنی و أبو ولدی و أنت منی و أنا منك یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بیٹی کا خاوند ختن ہے دوسری صورت میں یہ ختن کا اشتقاق ''ختنہ'' ہے جب وہ اسے کاٹے گویا خاوند اپنے اہل سے کٹ گیا اور اپنی بیوی کو اس کے اہل سے کاٹ دیا۔ ضحاک نے کہا: صہر سے مراد رضاعت (دودھ پینا) کی قرابت ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک یہ وہم ہے اس وہم کو حضرت ابن عباس کے قول نے ثابت کیا ہے۔ فرمایا: نسب سے سات چیزیں حرام ہیں اور صہر سے پانچ رشتے حرام ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے: صہر سے سات رشتے حرام ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ (النساء: 23) تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں، یہی نسب ہے، پھر صہر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ارادہ کیا ہے: وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ (النساء: 23) پھر محصنات کا ذکر کیا اس کلام کا محل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صہر سے ان حرمتوں کا ارادہ کیا جو اس کے ساتھ مذکور ہیں اور جو ذکر کیا گیا ان میں سے اکثر کی طرف اشارہ کیا وہ صہر ہے نہ کہ یہ ارادہ کیا کہ رضاع صہر ہے رضاع تو نسب کا ہم پلہ ہے اس کے ساتھ وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کے ساتھ حرام ہو جاتے ہیں کیونکہ اس بارے میں حدیث ماثور موجود ہے۔ جس نے یہ روایت کی کہ صہر سے پانچ رشتے حرام ہوتے ہیں اس نے دونوں آیتوں سے دو بہنوں اور محصنات یعنی خاوندوں والی عورتوں کو خارج کیا۔

میں کہتا ہوں: ابن عطیہ نے رضاع کو نسب قرار دیا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے: یہ زجاج کا قول ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: نسب صہر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ۔ صہر تو وہ ہوتا ہے جس میں ازدواج کا رشتہ ہو۔ ابن عطیہ نے کہا: زہراوی نے ایک قول کی حکایت بیان کی ہے کہ نسب بیٹوں کی جانب سے ہوتا ہے اور صہر بیٹیوں کی جانب سے ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: نحاس نے اس قول کو ذکر کیا ہے اور کہا: مصاہرت دونوں جہتوں سے ہوتی ہے۔ ابن سیرین نے کہا: یہ

آیت نبی کریم ﷺ اور حضرت علی شیر خدا کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت علی کو نسب اور صہر میں جمع کیا۔ ابن عطیہ نے کہا: ان دونوں کا اجتماع قیامت تک حرمت کی تاکید ہے۔

وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا یعنی جس کا ارادہ کرتا ہے اسے پیدا فرما دیتا ہے۔

وَ يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيرًا ﴿۵۵﴾

''اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان بتوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں ہمیشہ شیطان کا مددگار رہتا ہے''۔

وَ يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ جب اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کو بیان کیا اور اپنی کمال قدرت کو بیان کیا تو مشرکین پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ اس ذات کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو نفع اور نقصان پر قادر نہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی مذکورہ چیزوں کو پیدا کیا پھر یہ جہلاء اپنی جہالت کی وجہ سے ایسے جمادات کی عبادت کرتے ہیں جو نفع اور نقصان نہیں دیتے۔

وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہاں کافر سے مراد ابوجہل ہے (اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو) اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے خلاف مدد طلب کرتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: کافر سے مراد ابلیس ہے اس نے اپنے رب کی عداوت کو ظاہر کر دیا ہے۔ مطرف نے کہا: یہاں کافر سے مراد شیطان ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ظہیر سے مراد معاصی پر شیطان کا مددگار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کافر اپنے رب پر آسان اور ذلیل ہے اس کی کوئی قدرت نہیں اور نہ ہی اس کی بارگاہ میں اس کا کوئی وزن ہے۔ عرب کا قول ہے: ظهرتُ به یعنی تو نے اسے اپنی پشت کے پیچھے کر دیا اور تو اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا (ہود: 92) یہاں ظهریا سے مراد هینا (ہلکا) ہے اس معنی میں فرزدق کا قول ہے:

تمیم بن قیس لا تکونن حاجتی بظهر فلا یعیا علیَّ جوابُها

اے تمیم بن قیس! میری حاجت کو آسان خیال نہ کرنا مجھ پر اس کا جواب مشکل نہیں۔

ابو عبیدہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ ظہیر یہ مظہور کے معنی میں ہے یعنی کافروں کا کفر اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرنے والا ہے، کیونکہ اس کا کفر کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر اپنے اس رب جس کی وہ عبادت کرتا ہے جو بت ہے اس پر قوی اور غالب ہے اس کے ساتھ جو چاہتا ہے سلوک کرتا ہے کیونکہ جمادات کو نقصان سے دور کرنے اور نقصان پہنچانے پر کوئی قدرت نہیں ہوتی۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ فرما دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (خیر

خواہی) پر کچھ مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے"۔

یعنی جنت کا بشارت دینے والا اور آگ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ہم نے آپ کو وکیل اور زبردستی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ میں تمہارے پاس قرآن اور وحی جو لے کر آیا ہوں اس پر تم سے اجر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ یہاں مِنْ اَجْرٍ میں مِنْ تاکید کے لیے ہے۔ اِلَّا مَنْ میں اِلَّا، لکن کے معنی میں ہے یہ مستثنیٰ منقطع ہے معنی ہے لیکن جو چاہے، یعنی جو چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے تو وہ مال خرچ کرے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مستثنیٰ متصل ہو اور مضاف مقدر ہو تقدیر کلام یہ ہوگی الا اجر من شاء، یعنی میرے دین کی اتباع کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ کو اپنائے یہاں تک کہ دنیا اور آخرت کی کرامت کو پائے۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۚ ﴿۵۸﴾

"اور (اے مصطفیٰ!) آپ بھروسہ کیجئے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے"۔

توکل کا معنی سورۂ آل عمران اور اس سورت میں گزر چکا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ تمام امور میں دل کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسباب تو صرف واسطے ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ کفار اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کرتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ تسبیح کا معنی پاکی بیان کرنا ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ سَبِّحْ کا معنی ہے اس کے لیے نماز پڑھو۔ نماز کو تسبیح کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں پر آگاہ ہے اس لیے انہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

"جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے) وہ رحمن ہے سو پوچھ اس کے بارے میں کسی واقف حال سے"۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الَّذِيْ محل جر میں ہے کیونکہ یہ الحی کی صفت ہے بَيْنَهُمَا فرمایا بینھن نہیں فرمایا کیونکہ دو صنف، دو نوع اور دو چیزیں مراد لی ہیں، جس طرح قطامی کا قول ہے:

ألم يَحزُنكِ ان حبال قيس و تغلب قد تباينتا انقطاعا

کیا تجھے غمگین نہیں کرتا کہ قیس اور تغلب کے تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔

یہاں وحبال تغلب کا ارادہ کیا تو اسے تثنیہ بنایا حبال جمع کا صیغہ ہے کیونکہ دو چیزوں اور دو نوع کا ارادہ کیا۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے بارے میں سوال کرو۔ یعنی باء، عن کے معنی میں ہے۔ اہل لغت میں سے ایک جماعت نے اس کو بیان کیا ہے کہ باء، عن کے معنی میں ہے، جس طرح فرمایا سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ (المعارج) شاعر نے کہا:

هلا سألت الخيل يابنة مالك　　ان كنت جاهلة بمالم تعلمى

اے بنت مالک تو نے گھڑسواروں سے کیوں نہ پوچھا اگر تو ناواقف تھی جس کو تو نہیں جانتی۔

علقمہ بن عبدہ نے کہا:

فإن تسألونى بالنساء فإننى　　خبير بادواء النساء طبيب

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہو بے شک میں عورتوں کی بیماریوں کے بارے میں باخبر اور طبیب ہوں۔

یہ اصل میں عن النساء اور عما لم تعلمی تھا۔ علی بن سلیمان نے اس کا انکار کیا ہے اہل نظر انکار کرتے ہیں کہ باء، عن کے معنی میں ہو، کیونکہ اس صورت میں عربوں کے اقوال کے معانی کا ابطال لازم آتا ہے۔ لو لقيت فلانا للقيك به الاسد یہ اس معنی میں ہے للقيك بلقائك أياه الاسد اگر تو فلاں سے ملتا تو تیرے اس کے ساتھ ملاقات کرنے سے شیر تیرے ساتھ ملاقات کرتا معنی ہے تو اس سے سوال کرنے کے ساتھ خبیر سے سوال کرے گا؛ ابن جبیر نے یہی کہا ہے۔ خبیر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ خَبِيْرًا، سوال مصدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

میں کہتا ہوں: زجاج کا قول بہترین توجیہ پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ خبیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی باخبر سے سوال کر جو اس کی صفات اور اسماء سے آگاہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کے لیے خبیر سے سوال کر۔ خبیر مضمر ضمیر سے حال ہے۔ مہدوی نے کہا: حال بنانا اچھا نہیں کیونکہ یہ اس امر سے خالی نہ ہوگا کہ یہ سائل یا مسئول سے حال ہو۔ فاعل سے حال بنانا صحیح نہیں کیونکہ خبیر اس کا محتاج نہیں ہوتا کہ وہ غیر سے سوال کرے۔ یہ مفعول سے حال نہیں ہوگا، کیونکہ مسئول عنہ رحمٰن ہے جو ہمیشہ باخبر ہے حال عموی طور پر تبدیل ہوتا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ اسے حال موکدہ پر محمول کیا جائے، جس طرح وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) پس یہ جائز ہے جہاں تک اَلرَّحْمٰنُ کا تعلق ہے اس کے مرفوع ہونے میں تین وجوہ ہیں: یہ اسْتَوٰى میں جو مضمر ضمیر ہے اس سے بدل ہے، یہ بھی جائز ہے کہ یہ هو الرحمٰن کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہو۔ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا اس کی خبر ہو اس کو مجرور پڑھنا بھی جائز ہے، معنی ہوگا توكل على الحى الذى لا يموت الرحمن اس صورت میں یہ الحی کی صفت ہو گی۔ مدح کے طور پر نصب بھی جائز ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝

”اور جب کہا جاتا ہے انہیں کہ رحمٰن (کے حضور) سجدہ کرو وہ پوچھتے ہیں: رحمٰن کون ہے؟ کیا ہم سجدہ کریں اس کو

جس کے متعلق تم ہمیں حکم دیتے ہو اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں"۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ، رحمن سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ وہ یہ بات انکار اور تعجب کے طریقہ پر کرتے ہیں، یعنی ہم تو یمامہ کے رحمن کو جانتے ہیں وہ اس سے مراد مسیلمہ کذاب لیتے۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے گمان کیا ہے: وہ صفت سے جاہل تھے موصوف سے جاہل نہیں تھے۔ اس پر استدلال وَ مَا الرَّحْمٰنُ سے کیا گیا ہے انہوں نے من الرحمن نہیں کہا۔ ابن حصار نے کہا: گویا انہوں نے دوسری آیت نہیں پڑھی وہ یہ ہے: وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ (الرعد:30)

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا یہ مدینہ طیبہ اور بصرہ کے قراء کی قراءت ہے یعنی اے محمد! کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کے بارے میں تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ اعمش، حمزہ اور کسائی نے یامرنا یاء کے ساتھ قراءت کی ہے فاعل الرحلن مراد لیتے، ابو عبید نے یہی تاویل کی ہے، کہا: اگر وہ اقرار کرتے کہ رحمن نے انہیں حکم دیا ہے تو وہ کافر نہ ہوتے۔ نحاس نے کہا: یہ واجب نہیں آتا کہ کوفیوں کی قراءت میں یہ بعید تاویل کی جائے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ان کی یہ تاویل کی جائے انسجد لما یأمرنا، ھو ضمیر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس طرح یہ قراءت صحیح ہوگی اگرچہ پہلی قراءت زیادہ واضح اور تناول کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہے۔

وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا قائل کے اس قول: اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ نے دین سے ان کی نفرت میں اضافہ کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری اس آیت کے بارے میں یہ عرض کرتے: اے میرے اللہ! وہ چیز جس نے تیرے دشمنوں کے نفور میں اضافہ کیا ہے وہ میرے خضوع میں اضافہ کرے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾

"بڑی (خیر و) برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور بنایا ہے اس میں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا ہوا"۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا بروج سے مراد منازل ہیں، اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سراج سے مراد سورج ہے، اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے: وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ (نوح) عام قراءت سراجاً ہے جو واحد کا صیغہ ہے۔ حمزہ اور کسائی نے سُرُجًا قراءت کی ہے وہ اس سے بڑے روشن ستارے مراد لیتے ہیں۔ پہلی قراءت ابو عبید کے نزدیک اولیٰ ہے، کیونکہ انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ بروج سے مراد ستارے ہیں معنی ستارے اور ستارے ہوگا۔ نحاس نے کہا: ان کے نزدیک تاویل یہ ہے کہ ابان بن تغلب نے کہا: سرج سے مراد بڑے ستارے ہیں۔ ثعلبی نے کہا: جس طرح زہرہ، مشتری، زحل اور ساکین وغیرہ۔

وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا جب وہ طلوع ہو تو زمین کو روشن کرتا ہے۔ عصمہ نے اعمش سے روایت نقل کی ہے وقمرا قاف پر ضمہ اور میم ساکن ہے، یہ شاذ قراءت ہے۔ اگر یہ شاذ قراءت نہ ہوتی تب بھی امام احمد بن حنبل جو اپنے وقت میں امام المسلمین تھے نے کہا: وہ نہ لکھا کرو جو عصمہ قراءتیں نقل کرتا ہے۔ ابو حاتم سجستانی ان قراءتوں کے بیان کرنے کا حریص تھا جسے عصمہ نے

روایت کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لیے جو چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ خِلْفَةً ابو عبید نے کہا: خلفہ سے مراد ہر ایسی چیز ہے جو کسی چیز کے بعد ہو۔ رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کے بعد آتا ہے۔ پیٹ کے مرض میں مبتلا لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے: أصابته خلفة یعنی وہ یکے بعد دیگرے اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اسی سے خلفة النبات ہے یہ ایسا پتہ ہے جو موسم سرما میں پہلے پتے کے بعد نکلتا ہے۔ اسی معنی میں زہیر بن ابی سلمیٰ کا قول ہے:

بها العين والآرام يمشين خلفة　　وہاں نیل گائیں اور ہرن کے بچے یکے بعد دیگرے چلتے ہیں۔

رئم ہرن کے بچے کو کہتے ہیں اس کی جمع آرام ہے۔ وہ کہتا ہے: جب ایک جماعت چلی جاتی ہے تو دوسری آ جاتی ہے۔ اسی معنی میں ایک اور شاعر کے اشعار ہیں وہ ایک عورت کی صفت بیان کرتا ہے جو موسم سرما کی منزل سے موسم گرما کی منزل کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

مجاہد نے کہا: خلفة یہ خلاف سے مشتق ہے یہ سفید ہے اور یہ سیاہ ہے، پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ روشنی تاریکی، زیادتی اور کمی میں ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام ایسی ہے جس کا مضاف حذف ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی: جعل الليل والنهار ذوي خلفة اس صورت میں خلفة کا معنی اختلاف ہوگا۔

لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ جو ارادہ کرے کہ وہ غور و فکر کرے تو اسے علم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فضول نہیں بنایا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور و فکر کرے گا۔ وہ عقل، فکر اور فہم میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر بجالائے گا۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جس سے رات کے وقت کوئی بھلائی فوت ہو جائے تو وہ دن کے وقت اس کو پا لے اور جس سے دن کے وقت بھلائی فوت ہو جائے وہ رات کے وقت اسے پا لے۔ صحیح یہ ہے ما من امرئ تكون له صلوة بالليل فغلبه عليها نوم فيصلي مابين طلوع الشمس الى صلاة الظهر الا كتب الله له اجر صلاته وكان نومه عليه صدقة (1) جب آدمی کی رات کے وقت کی کوئی نماز ہو اس پر نیند غالب آ جائے تو وہ سورج کے طلوع ہونے سے لے کر ظہر کی نماز تک نماز پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی نماز کا اجر لکھ دیتا ہے اور اس کی نیند اس کا صدقہ ہوتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی اپنا وظیفہ

1۔ سنن ابی داؤد، باب من نوى القيام فنام، حدیث نمبر 1119، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرنے سے سو گیا یا اس میں سے کوئی حصہ پڑھنے سے سو گیا تو اس نے اسے نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے حق میں اسے لکھ لیا جاتا ہے گویا اس نے اسے رات کے وقت پڑھ لیا ہو"۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: میں نے شہید اکبر کو کہتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے بندے کو زندہ اور عالم پیدا کیا اس کے ساتھ اس کا کمال ہے، اس پر نیند کی آفت، حدث کی ضرورت اور خلقت کا نقصان مسلط کر دیا کیونکہ کمال پہلے خالق کے لیے ہے بندے کے لیے جو ممکن ہے کہ وہ تھوڑا کھانے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں جاگنے کے ساتھ نیند کو دور کرے تو وہ ایسا کرے۔ غبن عظیم میں سے یہ ہے کہ انسان ساٹھ سال تک زندہ رہے ساری رات سویا رہے تو اس کی نصف عمر لغو چلی گئی۔ وہ دین کا 1/6 حصہ آرام کرنے کے لیے سوتا ہے تو اس کے دو تہائی چلے جاتے ہیں اور اس کے بیس سال باقی رہ جاتے ہیں یہ امر جہالت اور سفاہت سے تعلق رکھتا ہے کہ انسان اپنی عمر کا دو تہائی فانی لذت میں گزار دیتا ہے اور وہ اپنی عمر بیدار ہو کر ایسی لذت میں نہیں گزارتا جو باقی رہنے والی ہے اور وہ اس غنی کے پاس ہے جو پورا پورا حق دینے والا ہے جو نہ معدوم ہونے والا ہے اور نہ ہی ظلم کرنے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اشیاء اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں رکھتیں کیونکہ جواہر اور اعراض وجود کے اعتبار سے باہم مماثل ہیں۔ تفاضل صفات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کون سا وقت افضل ہے رات یا دن؟ جہاں تک روزے کا تعلق ہے اس کے بارے میں رہنمائی کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؛ یہ ابن عربی نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: رات کی بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قیام کا حکم دیا فرمایا: **وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ** (الاسراء: 79) **قُمِ الَّیْلَ** (المزمل: 2) جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ مومنین کی قیام کرنے کی وجہ سے مدح کی، فرمایا: **تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ** (السجدہ: 16) نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار وصلاة الرجل في جوف الليل وفيه ساعة يستجاب فيها الدعاء وفيه ينزل الرب تبارك و تعالى، (1) صدقہ خطا کی آگ کو بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، رات کے وسط میں آدمی کا نماز پڑھنا یہ بھی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے اس میں رب تبارک و تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جس کی وضاحت ان شاء اللہ آئے گی۔

مسئلہ نمبر 4۔ صرف حمزہ نے یذکر ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ ابن وثاب، طلحہ اور نخعی کی قراءت ہے۔ حضرت ابی کے مصحف میں یتذکر تاء کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ باقی قراء نے یذکر تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی اس نے دونوں وقتوں میں سے جو بولا وہ دوسرے وقت میں اسے یاد کرے گا یا وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تسبیح کو یاد کرلے گا۔

اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا یہ جملہ بولا جاتا ہے شَكَرَ يَشْكُرُ شُكْرًا و شُكُوْرًا جس طرح كَفَرَ يَكْفُرُ كُفْرًا وَ كُفُوْرًا ہے یہ شکر اسی بنا پر

1۔ سنن ترمذی، باب ما جاء في حرمة الصلاة، حدیث نمبر 2541۔ سنن ابن ماجہ، باب كف اللسان في الفتنة، حدیث نمبر 3962، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان کی زندگی کا سہارا بنا دیا گویا جب انہوں نے کہا: وَمَا الرَّحْمٰنُ، جواب دیا: رحمن وہ ہے جو ان اشیاء پر قادر ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

''اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ تم سلامت رہو''۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا جب مشرکوں کی جہالتوں، قرآن اور نبوت کے بارے ان کے طعن کو ذکر کیا تو اپنے مومن بندوں کا ذکر کیا اور ان کی صفات کا ذکر کیا اور انہیں شرف عطا کرنے کے لیے اپنی عبودیت کی طرف منسوب کیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (الاسراء: 1) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اس کی عبادت کی، اپنے کان، آنکھ، زبان اور دل کو ان امور میں مصروف رکھا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو وہ ہی عبودیت کے اسم کا مستحق ہوا، جو اس کے برعکس ہے اسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شامل ہوگا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: 179) یعنی وہ عبرت حاصل کرنے والا نہیں؛ جس طرح سورۂ اعراف میں پہلے گزر چکا ہے، گویا فرمایا: وعباد الرحمن هم الذين يمشون على الأرض، هم ضمیر کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح تیرا قول ہے: زيد الامير یعنی زيد هو الامير. الَّذِيْنَ مبتدا محذوف کی خبر ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی خبر سورت کا آخر اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا ہے، مبتدا اور خبر کے درمیان ان کے اوصاف اور ان کے متعلقات ہیں، یہ زجاج کا قول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خبر الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ ہو۔ يَمْشُوْنَ سے مراد ان کی زندگی، ان کی زندگی کی مدت اور ان کے تصرفات ہیں۔ ان میں سے بڑی چیز کا ذکر کیا خصوصاً اس میں زمین میں گھومنا پھرنا ہے وہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور خلط ملط ہونا ہے۔

هَوْنًا، هون یہ هين کا مصدر ہے جس کا معنی سکینہ اور وقار ہے، تفسیر میں ہے وہ زمین پر حلم کا پیکر اور تواضع اختیار کرتے ہوئے چلتے ہیں وہ میانہ روی اختیار کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ میانہ روی، آہستگی اور اچھی چال چلن نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أيها الناس عليكم بالسكينة فإن البر ليس في الايضاع، اے لوگو! سکینہ و وقار کو لازم پکڑو ایضاع (چال کا ایک انداز جو خبب کی طرح ہوتا ہے) میں کوئی نیکی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں یہ بیان کیا گیا ہے: انه كان إذا زال زال تقلعا ويخطو تكفؤا ويمشي هونا ذريع المشية إذا مشى كأنما ينحط من صبب. تقلع سے مراد قوت کے ساتھ پاؤں کو اٹھانا۔ تکفو چلنے میں درمیانی چال کی طرف مائل ہونا۔ هون سے مراد نرمی اور وقار ہے۔ ذریع سے مراد کھلے قدم والے یعنی آپ کی چال اس طرح تھی آپ جلدی سے اپنے قدم کو اٹھاتے، اپنے قدم کو لمبا کرتے مگر متکبر کی چال کی طرح نہ ہوتا، اپنی سمت کو سیدھا رکھتے یہ ہر ایک نرمی سے ہوتا اور جلدی کے بغیر ثابت ہوتا جس طرح کہا: كأنما ينحط من صبب گویا آپ بلندی سے پستی کی طرف آ رہے ہیں، یہ قاضی عیاض کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تکلف کی بجائے فطرتی

طور پر جلدی چلا کرتے تھے۔ زہری نے کہا: تیز چلنا چہرے کی رونق کو ختم کر دیتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مراد تیز رفتاری ہے کیونکہ یہ وقار میں مخل ہوتا ہے اور بھلائی میانہ روی میں ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: پس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر کے بارے پوچھتا تھا اور اس میں کوئی شافی جواب نہ پاتا۔ میں نے خواب دیکھا ایک آدمی میرے پاس آیا اس نے مجھے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو زمین میں فساد کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ قشیری نے کہا: وہ فساد اور نافرمانی کے لیے تگ و دو نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مباح امور کے لیے بغیر سستی و کاہلی کے کدو کاوش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ طاعت میں معروف اور تواضع کو اپناتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ حلیم ہیں اگر ان کے ساتھ جہالت کا رویہ اپنایا جائے تو وہ جہالت کا رویہ نہیں اپناتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں پر تکبر نہیں کرتے۔

میں کہتا ہوں: یہ سب قریب قریب معانی ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کا عرفان، اس کا خوف، اس کے احکام کی معرفت اور اس کے عذاب اور عقاب کی خشیت جامع ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ هَوْنًا کا لفظ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ سے متعلق ہے، اور مشی ہی ہون ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس کی یہ تاویل کرنا مناسب ہے کہ اس چلنے والے کے اخلاق نرم ہوں اور اس کی چال کے مناسب ہوں۔ قول اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے، جہاں تک صرف چال کی صفت کا تعلق ہے تو یہ باطل ہے، کیونکہ بعض نرمی سے اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے ہیں جب کہ وہ مٹیالے رنگ کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرتے گویا آپ ڈھلان سے اتر رہے ہیں۔ اس آیت میں آپ ہی مقتدا ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من مشی منکم فی طمع فلیمش رویدا تم میں سے جو آدمی کسی غرض کے لیے چلے تو وہ آہستہ آہستہ چلے۔ یہاں صرف چال کا ارادہ نہیں کیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں باطل پرست اور اپنے آپ کو ظاہری طور پر دین سے آراستہ کرنے والے صرف چال کی صورت کو اپناتے ہیں یہاں تک کہ شاعر نے ان کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

کلھم یمشی رویدا کلھم یطلب صید

ان میں سے ہر ایک ٹھہر ٹھہر کر چلتا ہے ان میں سے ہر ایک شکار کا طالب ہوتا ہے۔

ابن عربی نے اپنے بارے میں اس کے برعکس کہا:

تواضعتُ فی العلیاء والاصل کابر و حزت قصاب السبق بالھون فی الامر

سکون فلا خبث السریرة اصلہ وجل سکون الناس من عظم الکبر

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا نحاس نے کہا: سلام یہ تسلیم سے نہیں بلکہ یہ تسلم سے ہے، عرب کہتے ہیں: سلاما مراد تسلما منک کہتے ہیں یعنی تجھ سے بری۔ دو امور میں سے کسی ایک کی وجہ سے منصوب ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ قَالُوْا کی وجہ سے منصوب ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مصدر ہو یہ سیبویہ کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جو میں کہتا ہوں وہ یہ کہ

قَالُوْا یہ سَلٰمًا میں عامل ہے کیونکہ معنی ہے انہوں نے یہ لفظ کہا۔ مجاہد نے کہا: سلاما کا معنی سدادا ہے، یعنی وہ جاہل سے ایسی گفتگو کرتا ہے کہ اسے نرمی کے ساتھ اپنے آپ سے دور کر دیتا ہے۔ اس تاویل کی بنا پر قَالُوْا یہ سَلٰمًا میں عامل ہوگا۔ یہ نحویوں کے طریقہ پر ہے کیونکہ یہ قولا کے معنی میں ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے: مخاطب کو یہ چاہیے کہ وہ جاہل کو سلاما کہے، اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی: سلمنا سلاما او تسلیما اس صورت میں نحویوں کے طریقہ پر عامل اسی کا فعل ہوگا۔

مسئلہ: یہ آیت، آیت سیف سے پہلے نازل ہوئی، جو کافروں کے ساتھ خاص ہے وہ اس میں سے منسوخ ہے اور مسلمانوں کے بارے میں ادب قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس آیت کے نسخ کا ذکر کیا ہے اس کے غیر کے نسخ کے بارے میں جو کلام کی گئی ہے اس کے ساتھ یہ بات راجح ہو جاتی ہے کہ مراد سلامتی ہے، سلام کرنا نہیں کیونکہ مومنوں کو کبھی بھی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ کافروں کو سلام کریں۔ یہ آیت مکی ہے اسے آیت سیف نے منسوخ کر دیا ہے۔ نحاس نے کہا: ناسخ اور منسوخ کے بارے میں سیبویہ کا کلام اس آیت کے سوا ہم نہیں جانتے۔ سیبویہ نے کہا: اس روز مسلمانوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ مشرکوں کو سلام کریں مگر اس معنی میں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی خیر و شر نہیں ہے۔ مبرد نے کہا: یہ کہنا چاہیے تھا اس وقت مسلمانوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ ان کے ساتھ جنگ کریں پھر ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔ محمد بن یزید نے کہا: سیبویہ نے اس میں غلطی کی اور عبارت کو غلط معنی پہنایا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس وقت مسلمانوں کو حکم نہیں دیا گیا کہ وہ مشرکوں کو سلام کریں اور نہ ہی انہیں اس سے منع کیا گیا بلکہ انہیں درگزر کرنے اور خوبصورت پیرائے میں پہلو تہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مجالس کے پاس کھڑے ہوتے، انہیں سلام کہتے، ان کے قریب ہوتے اور ان کے ساتھ مداہنت کا رویہ اختیار نہ کرتے لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مومنوں میں سے کوئی بے وقوف تجھ پر زیادتی کرے تو تیرے لیے یہ کہنا جائز ہے: سلام علیک۔

میں کہتا ہوں: یہ سنت کے دلائل کے زیادہ مناسب ہے ہم نے سورۂ مریم میں کفار کو سلام کہنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ذکر کر دیا ہے، اس لیے نسخ کے دعویٰ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نضر بن شمیل نے ذکر کیا مجھے خلیل نے بیان کیا میں ابو ربیعہ اعرابی کے پاس آیا میرے نزدیک وہ سب سے بڑے عالم تھے وہ چھت پر تھے جب ہم نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے ہمیں سلام کا جواب دیا اور ہمیں فرمایا: استووا ہم حیران کھڑے ہوئے ہم نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے کیا کہا۔ ان کے پہلو میں موجود ایک بدو نے کہا: تمہیں حکم دیا ہے اوپر آجاؤ۔ خلیل نے کہا: یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ (فصلت: 11) ہم ان کی طرف اوپر گئے۔ فرمایا: کیا تمہیں روٹی جو خمیری نہیں، عمدہ دودھ اور تازہ پانی کی طلب ہے؟ ہم نے جواب دیا: ابھی ابھی ہم اس سے فارغ ہوئے۔ فرمایا: سلاما ہم نے کچھ نہ سمجھا کہ انہوں نے کیا کہا۔ اس بدو نے کہا: آپ نے تمہیں کہا ہے تم چلے جاؤ اس میں کوئی بھلائی نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی شر ہے۔ خلیل نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

ابن عطیہ نے کہا: میں نے ایک تاریخ میں دیکھا کہ ابراہیم بن مہدی جوان لوگوں میں سے تھا جو حضرت علی شیر خدا کی

طرف میلان رکھتے تھے مامون کے پاس گیا جب کہ ان کے پاس جماعت تھی میں خواب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں میں انہیں کہتا ہوں آپ کون ہیں؟ وہ خواب میں کہتے ہیں: علی بن ابی طالب۔ میں ان کے ساتھ ایک پل کی طرف آتا ہوں وہ جانتے ہیں وہ اس کے عبور کرنے میں مجھ سے پہل کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: آپ اس امر کا ایک عورت کی وجہ سے دعوی کرتے ہیں جب کہ ہم اس کے آپ کی بنسبت زیادہ حق رکھتے ہیں۔ میں نے ان کے جواب میں ایسی بلاغت نہیں پائی جیسی بلاغت ان کے بارے میں ذکر کی جاتی ہے۔ مامون نے کہا: انہوں نے تجھے کیا جواب دیا؟ کہا: وہ مجھے سلاما کہتے۔ راوی نے کہا: ابراہیم کو آیت یاد نہیں تھی یا اس وقت اس کے حافظہ سے نکل گئی۔ مامون نے حاضرین کو اس آیت پر متنبہ کیا۔ فرمایا: اے میرے چچا جان اللہ کی قسم! وہ علی بن ابی طالب ہیں آپ نے تجھے بلیغ ترین جواب دیا ہے۔ ابراہیم شرمندہ ہوا اور اسے حیاء آئی وہ خواب یقیناً سچے تھے۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾

''اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے''۔

زجاج نے کہا: بَاتَ الرَّجُلُ يَبِيتُ، جب اسے رات آلے، وہ سوئے یا نہ سوئے۔ زہیر نے کہا:

فبتنا قیاما عند رأس جوادنا یزاولنا عن نفسه و نزاوله

ہم نے اپنے گھوڑے کے پاس رات قیام کرتے ہوئے گزاری وہ اپنے نفس کو چھڑانے کے لیے ہمارے ساتھ کوشش کرتا رہا اور ہم اسے قابو کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

انہوں نے اولیاء کی صفت میں یہ اشعار کہے:

امنع جفونك ان تذوق مناما واذر الدموع على الخدود سجاما

واعلم بانك ميت و محاسب يامن على سخط الجليل اقاما

لله قوم اخلصوا فی حبه فرضی بهم واختصهم خُدّاما

قوم اذا جن الظلام عليهم باتوا هنالك سجدا و قياما

خُمص البطون من التعفف ضمرا لايعرفون سوى الحلال طعاما

اپنی پلکوں کو روکو کہ وہ نیند کا ذائقہ چکھیں، رخساروں پر آنسوؤں کو موسلا دھار برساؤ یہ جان لو کہ تو مرنے والا ہے اور تیرا محاسبہ ہونے والا ہے۔ اے وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے راتوں کو قیام کیا! اللہ کی ایسی قوم ہے جو اس کی محبت میں مخلص ہیں وہ ان سے راضی ہے انہیں خادم کے طور پر خاص کر لیا ہے۔ وہ ایسی قوم ہیں جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ سجدہ و قیام میں رات گزار دیتے ہیں ان کے پیٹ بڑھے ہوئے نہیں وہ حلال کھانے کے سوا کسی کھانے کو نہیں پہچانتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے عشاء کے بعد دو یا زیادہ رکعتیں پڑھیں تو اس نے سجدہ و قیام میں رات گزاری۔ کلبی نے کہا: جس نے مغرب کے بعد دو رکعتیں اور عشاء کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اس نے سجدہ و قیام کرتے

ہوئے رات گزاری۔

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾

''اور جو (بارگاہ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دور فرما دے ہم سے عذاب جہنم، بے شک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے، بے شک وہ بہت برا ٹھکانہ اور بہت بری جگہ ہے''۔

وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ وہ طاعت کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے سجدوں اور اپنے قیام میں یہ دعا کرتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا جہنم کا عذاب لازمی، دائمی اور جدا نہ ہونے والا ہے۔ اس وجہ سے قرض خواہ کو غریم کہتے ہیں کیونکہ وہ مقروض کو لاحق رہتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان مغرم بکذا، یعنی اسے لازم ہے، اس کے ساتھ سخت محبت کرنے والا ہے۔ کلام عرب میں یہی اس کا معنی ہے جو ابن عربی، ابن عرفہ اور دوسرے علماء نے کہا۔ اعشی نے کہا:

إن يعاقب يكن غراما وان يعط جزيلا فانه لايبالى

اگر وہ عقاب دے تو وہ عقاب لازم رہنے والا ہے اور بڑا اجر دے تو اسے کوئی پرواہ نہیں۔

حضرت حسن بصری نے کہا: سب کو علم ہے کہ ہر غریم، غریم کو چھوڑنے والا ہے مگر جہنم کا غریم چھوڑنے والا نہیں۔ زجاج نے کہا: غرام سخت ترین عذاب ہے۔ ابن زید نے کہا: غرام سے مراد شر ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد ہلاکت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان سے دنیا میں نعمتوں کے ثمن کا مطالبہ کیا تو انہوں نے وہ ادا نہ کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کے ثمن انہیں جہنم میں داخل کرنے کے ساتھ لازم کر دیئے۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا وہ کتنا برا ٹھکانا ہے، وہ یہ بات علم سے کہتے ہیں جب انہوں نے یہ بات علم سے کہی تو وہ اس شے کی عظیم قدر کو پہچاننے والے ہو گئے جس کا ان سے مطالبہ کیا جا رہا تھا، یہ چیز ان کی کامیابی کے قریب ترین ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

''اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی (بلکہ) ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے بین بین اعتدال سے ہوتا ہے''۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا مفسرین نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس کے متعلق جو یہ کہا گیا وہ کتنا اچھا کہا گیا: جس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت کے بغیر مال خرچ کیا تو وہ اسراف ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طاعت سے رک گیا وہ اقتار ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کیا تو وہ قوام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے ایک لاکھ حق کے راستہ میں خرچ کیا وہ اسراف نہیں اور جس نے ناحق ایک درہم خرچ کیا وہ اسراف ہے جس نے اس میں سے روکا جو اس پر واجب تھا تو وہ اقتار ہے؛ یہ مجاہد، ابن زید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ عون بن عبد اللہ نے کہا: اسراف یہ ہے

کہ تو کسی اور کا مال خرچ کرے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ اور اسی جیسی چیزیں آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کہا جائے: معصیت میں خرچ کرنے سے شرع نے روک دیا ہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ اسی طرح غیر کے مال پر تعدی کرنا ہے۔ جن لوگوں کی صفت بیان کی جا رہی ہے وہ اس سے منزہ تھے۔ اس آیت میں یہ ادب سکھایا جا رہا ہے کہ مباحات میں مال کیسے خرچ کرنا ہے؟ اس میں شرع کا ادب یہ ہے کہ انسان افراط سے کام نہ لے یہاں تک کہ کسی اور حق کو ضائع کرے یا عیال کو ضائع کرے وہ اپنے مال کو اس طرح بھی نہ روکے یہاں تک کہ عیال کو بھوکا رکھے اور بخل میں افراط سے کام لے اس میں بہترین میانہ روی ہے عدل وقوام ہر ایک میں اس کے عیال اور حال کے مطابق ہوگا، اسی طرح اس کا صبر، اس کا خرچ پر قوی ہونا اس کی کمائی کے حساب سے ہوگا یا ان خصلتوں کی ضد مراد ہوگی اور امور میں سے بہترین ان کے وسط ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا تمام مال صدقہ کرنے دیا (1) کیونکہ یہ ان کے دین میں قوت اور صبر کے اعتبار سے وسط تھا اور دوسرے افراد کو اس سے منع کر دیا۔ ابراہیم نخعی نے کتنی ہی اچھی بات کہی ہے: اس سے مراد وہ شخص ہے نہ عیال کو بھوکا رکھتا ہے اور نہ ہی بے لباس رکھتا ہے اور نہ ہی ایسا نفقہ خرچ کرتا ہے کہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ اس نے اسراف سے کام لیا۔

یزید بن ابی حبیب نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خوبصورتی کے لیے لباس زیب تن نہیں کرتے اور لذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے، یزید نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے: وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں وہ لذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے اور جمال کے لیے لباس زیب تن نہیں کرتے تھے لیکن وہ کھانے سے یہ ارادہ کرتے تھے کہ بھوک کا سد باب ہو، اور اپنے رب کی عبادت کی قوت حاصل ہو۔ اور لباس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ جو ان کی شرمگاہ کا پردہ کرے اور سردی و گرمی سے انہیں بچائے۔ عبد الملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے کہا جب اس نے آپ سے اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی کی: تیرا خرچہ کیا ہے؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: دو برائیوں کے درمیان نیکی، پھر اس آیت کی تلاوت کی۔

حضرت عمر بن خطاب نے کہا: کسی بندے کے اسراف کے لیے یہی اسراف کافی ہے کہ جس چیز کی وہ خواہش کرے وہ اس کو خرید لے اور اس کو کھالے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسراف یہ ہے کہ تو وہ چیز کھائے جس کی تو خواہش کرے''۔ ابو عبیدہ نے کہا: وہ معروف پر زیادتی نہیں کرتے اور وہ بخل سے کام نہیں لیتے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (الاسراء: 29) شاعر نے کہا:

ولا تغل فی شیء من الامر واقتصد ... کلا طرفی قصد الامور ذمیم

کسی بھی معاملہ میں غلو نہ کرو، میانہ روی اختیار کرو امور کی دونوں طرفیں مذموم ہوتی ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

1۔ سنن ابی داؤد، باب فی الرخصۃ فی ذلک، حدیث نمبر 1429

إذا المرء أعطى نفسه كلّ ما اشتهتْ ولم ينهها تاقت إلى كل باطل

وساقت إليه الإثم والعار بالذي دعته إليه من حلاوة عاجل

جب انسان اپنے نفس کو ہر وہ چیز عطا کرے جس کی وہ خواہش کرے اور وہ اپنے نفس کو نہ روکے تو وہ ہر باطل چیز کا شوقین ہو جاتا ہے نفس اس کی طرف گناہ اور عار کو لے آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نفس نے اسے جلدی مٹھاس کی دعوت دی تھی۔

حضرت عمر بڑاتھ نے اپنے بیٹے عاصم سے کہا: اے بیٹے! اپنے نصف پیٹ میں کھا تو کپڑے کو نہ پھینک یہاں تک کہ تو اسے بوسیدہ کر دے، تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جا جو اللہ تعالیٰ کے رزق کو اپنے پیٹوں اور پشتوں پر رکھ لیتے ہیں۔ حاتم طائی کا شعر ہے:

إذا أنت قد أعطيت بطنك سؤله وفرجك نالا منتهى الذم اجمعا

جب تو نے اپنے پیٹ اور شرمگاہ کا سوال پورا کر دیا تو دونوں نے اکٹھے ذم کی انتہا کو پالیا۔

وَلَمْ يَقْتُرُوْا حمزہ، کسائی، اعمش، عاصم اور یحییٰ بن وثاب نے اختلاف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یقتروا یہ یاء کے فتحہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے؛ یہ اچھی قراءت ہے، یہ قَتَرَ، يَقْتُرُ سے مشتق ہے یہ لازم میں قیاس ہے جس طرح قَعَدَ، يَقْعُدُ۔ ابو عمرو بن علاء اور ابن کثیر نے یاء کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اچھی اور معروف لغت ہے۔ اہل مدینہ، ابن عامر اور ابوبکر نے عاصم سے یاء کے ضمہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ثعلبی نے کہا: تمام لغتیں صحیح ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو حاتم نے اہل مدینہ کی اس قراءت سے تعجب کیا ہے کیونکہ اہل مدینہ کی قراءت میں شاذ نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے: أَقْتَرَ يُقْتِرُ جب وہ محتاج ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ (البقرہ: 236) ابو حاتم نے یہ تاویل کی ہے اسراف کرنے والا جلد محتاج ہو جاتا ہے یہ تاویل حقیقت سے بعید ہے، لیکن ان کی تاویل کہ ابو عمر جرمی نے اصمعی سے حکایت بیان کی ہے جب وہ تنگ دست ہو جائے قتر يقتر و يقتر اور اقتر يقتر، اس تاویل کی بنا پر قراءت صحیح ہے اگرچہ یاء کو فتحہ دینا زیادہ صحیح ہے تناول کے اعتبار سے زیادہ قریب اور زیادہ مشہور و معروف ہے۔ ابو عمرو اور دوسرے لوگوں نے قِوامًا پڑھا ہے یعنی قاف پر زیر ہے مراد عدل ہے۔ حسان بن عبد الرحمن نے کہا: قِواماً ہے یعنی قاف کے نیچے کسرہ ہے۔ قوام جب قاف کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ایسی چیز ہوگی جس پر امر دوام اختیار کرے اور قرار پذیر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ قواماً یہ کان کی خبر ہے اس کا اسم مقدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: كان الإنفاق بين الإسراف والقتر قواما، یہ فراء کا قول ہے۔ اس کا ایک اور قول بھی ہے: بین کو کان کا اسم بنایا ہے اور اسے نصب دی ہے کیونکہ ان الفاظ کا استعمال بہت زیادہ ہوتا ہے محل رفع میں اسے اسی حال پر رکھا۔ نحاس نے کہا: میں اس کی وجہ کو نہیں جانتا، کیونکہ بین کا لفظ جب محل رفع میں ہو تو اسے رفع دیا جاتا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: بينُ عينيه احمر۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝

''اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا، دوگنا کر دیا جائے گا اس کے لیے عذاب روز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل وخوار ہو کر''۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ مومن بندوں کو ان کافروں کی صفات سے خارج کرنا مقصود ہے جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں، بچیوں کو زندہ درگور کر کے نفوس کو قتل کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ ظلم، دھوکہ اور غارت گری مچاتے ہیں اور زنا ان کے نزدیک مباح امر ہے۔ علماء معانی میں سے جس نے اس آیت کو ظاہر معنی سے پھیرا اس نے کہا: رحمن نے جن کو اپنی طرف خصوصی طور پر منسوب کیا ہے اور معرفت اور تشریف والی صفات کے ساتھ انہیں موصوف کیا اور ان کا ذکر کیا، تو یہ مناسب نہیں کہ ان سے یہ قبیح امور واقع ہوں یہاں تک کہ ان کی ان سے نفی کے ساتھ مدح کی جائے کیونکہ وہ اس سے اعلیٰ واشرف ہیں۔ فرمایا: وہ خواہش نفس کو الٰہ نہیں بناتے، معاصی کے ساتھ اپنے نفوس کو ذلیل ورسوا نہیں کرتے تو یہی ان کا قتل ہے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ مگر صبر کی چھری اور مجاہدہ کی تلوار کے ساتھ۔ وہ ایسی عورتوں کو شہوت سے نہیں دیکھتے جو ان کی محرم نہیں ہوتیں تو یہ بدکاری ہوگا، بلکہ ضرورت کی بنا پر دیکھتے ہیں تو وہ نکاح کی طرح ہو جائے گا۔ ہمارے شیخ ابوالعباس نے کہا: یہ عمدہ کلام ہے مگر جانچ کرنے کے وقت یہ احمقانہ کلام ہے، یہ باطل رجحان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اضافت کے اختصاص کے ساتھ شرف عطا کرنا صحیح ہے جب کہ انہوں نے صفات حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا اور اوصاف ذمیمہ کے نقائص سے خالی ہوئے۔ ان آیات کے شروع میں آراستہ کی جانے والی صفات کا ذکر کیا تا کہ انہیں شرف عطا کیا جائے پھر اس کے بعد ان صفات کا ذکر کیا جن سے انہوں نے اپنے آپ کو خالی کیا تا کہ ان سے ان کے بعد کا ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس قائل نے جو یہ دعویٰ کیا کہ یہ امور ظاہر معنی پر نہیں اس کے بطلان پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہرائے جب کہ اس نے تجھے پیدا کیا''۔ عرض کی: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: ''تو اپنی اولاد کو اس وجہ سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا''۔ عرض کی: پھر کون سا گناہ؟ فرمایا: ''تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے''۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ۝ کلام عرب میں آثاما سے مراد عقاب ہے۔ ابن زید اور قتادہ نے اس آیت میں یہی قراءت کی ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

جزی اللہ ابن عروۃ حیث امسی عقوقا والعقوق لہ آثام

اللہ تعالیٰ ابن عروہ کو جزا دے جب اس نے نافرمانی کرتے ہوئے شام کی جب کہ نافرمانی پر اس کے لیے جزا اور سزا ہے۔

یہاں آثام کا معنی جزا اور عقوبت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: آثام جہنم میں ایک وادی ہے اللہ

تعالیٰ نے کافروں کے لیے اسے سزا بنایا ہے، شاعر نے کہا:

لقیت المھالك فی حربنا بعد المھالك تلقی اثاما

ہماری جنگ میں تو نے ہلاکتوں کو پایا ہلاکتوں کے بعد تو سزا پائے گا۔

سدی نے کہا: آثام جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ شاعر نے کہا:

وکان مقامنا ندعو علیھم بابطح ذی المجازلہ اثام

اس شعر میں آثام کا معنی پہاڑ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے قتل کیے تو بہت زیادہ قتل کیے انہوں نے بدکاری کی تو بہت زیادہ بدکاری کی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: جو بات آپ کرتے ہیں اور جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ، بہت اچھی ہے، وہ امر ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ ہم نے جو عمل کیا اس پر کفارہ ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ (زمر:53) ایک قول یہ کیا گیا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا یہ وحشی کے بارے میں نازل ہوئی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا؛ یہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اس کی وضاحت سورہ زمر میں آئے گی۔

اِلَّا بِالْحَقِّ مگر اس حق کی وجہ سے جس کے ساتھ نفوس کو قتل کرنا جائز ہوتا ہے جیسے ایمان کے بعد کفر، شادی کے بعد بدکاری، جس طرح اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ وہ نکاح اور ملک یمین کے بغیر شرمگاہوں کو حلال نہیں سمجھتے۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کفر کے بعد ناحق قتل کرنے سے بڑا گناہ کوئی نہیں اس کے بعد بدکاری ہے اسی وجہ سے جو شادی شدہ ہو اس کے بارے میں زنا کی صورت میں قتل ثابت ہے اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو سب سے زیادہ کوڑے اور سخت کوڑے لازم ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ نافع، ابن عامر، حمزہ اور کسائی نے یضاعف اور یخلد مجزوم پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے یضعف عین کو مشدد اور الف کو حذف کرنے کے ساتھ قراءت کی ہے اور دونوں فعلوں کو مجزوم پڑھا ہے۔ طلحہ بن سلیمان نے نُضَعِّفُ نون کے ضمہ اور عین مشددہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ العذاب کو نصب دی اور یخلدُ کو جزم دی ہے، یہ ابوجعفر اور شیبہ کی قراءت ہے۔ عاصم نے ابوبکر کی روایت میں یضاعف اور یخلد دونوں میں رفع پڑھا ہے یہ آپس میں معطوف، معطوف علیہ ہیں اور جملہ مستانفہ ہیں۔

طلحہ بن سلیمان نے تخلد تاء کے ساتھ پڑھا ہے، خطاب کافر کو ہے۔ ابوعمرو سے ویخلد یاء کے ضمہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی ہے۔ ابوعلی نے کہا: روایت کے اعتبار سے یہ غلط ہے، یضاعف مجزوم ہے یہ یلق سے بدل ہے جو شرط کی جزا ہے۔ سیبویہ نے کہا: عذاب کے کئی گنا ہونے سے مراد عقاب کو پانا ہے۔ شاعر نے کہا:

متی تاتنا تلمم بنا فی دیارنا تجد حطبا جزلا ونارا تاججا

جب تو ہمارے پاس آئے گا تو ہمارے ہاں ہمارے گھروں میں اترے گا تو بہت بڑا ایندھن اور بھڑکتی آگ پائے گا۔
محل استدلال تجد ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا۔

إن علی اللہ ان تبایعا توخذ کرھا او تجئ طائعا

اللہ کی قسم! مجھ پر لازم ہے کہ تم بیعت کرو تجھے مجبوری کے عالم میں پکڑ کر لایا جائے یا تو خوشی خوشی آئے۔
محل استدلال توخذ ہے۔

جہاں تک رفع کا تعلق ہے اس میں دو قول ہیں: (۱) ماقبل سے اسے الگ کر دیا جائے (۲) اسے معنی پر محمول کیا جائے، گویا ایک کہنے والا کہتا ہے: آثام سے ملنے کا کیا مطلب ہے؟ اسے کہا جائے گا: اس کے لیے عذاب کئی گنا کر دیا جائے گا۔ مُهَانًا اس کا معنی ہے ذلیل، ناکام، مقصد سے دور اور دھتکارا ہوا۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا علماء میں سے کوئی اختلاف نہیں کرتا کہ استثناء کافر اور زانی میں عامل ہے مسلمانوں میں سے جو قاتل ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے جس طرح اس کی وضاحت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے، سورۂ مائدہ میں یہ قول گزر چکا ہے۔ یمین میں جو استثناء ہو اس میں تراخی جائز ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے، وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ نحاس نے کہا: اس کے بارے میں جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین یہ ہے کہ کافر کی جگہ مومن اور نافرمان کی جگہ مطیع لکھ دیا جاتا ہے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ شرک کو ایمان سے بدل دیتا ہے؟ حضرت حسن بصری سے اسی کی مثل مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ایک قوم یہ کہتی ہے یہ تبدیلی آخرت میں ہوگی، جب کہ معاملہ اس طرح نہیں یہ تبدیلی دنیا میں ہوگی اللہ تعالیٰ ان کے شرک کو ایمان سے بدل دیتا ہے، شک کو اخلاص سے بدل دیتا ہے اور فجور کو احصان سے بدل دیتا ہے۔ زجاج نے کہا: اس سے مراد یہ نہیں کہ سیئہ کی جگہ حسنہ رکھ دیتا ہے بلکہ سیئہ کی جگہ توبہ رکھ دیتا ہے، اور حسنہ کو توبہ کے ساتھ رکھ دیتا ہے۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: إن السيئات تبدّل الحسنات، برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا جائے گا۔ اس کے ہم معنی روایت حضرت سلمان فارسی، سعید بن جبیر اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آخرت میں اس آدمی کے بارے میں ہوگا جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہو جائیں گی، تو اللہ تعالیٰ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ حدیث میں ہے: ''کئی اقوام تمنا کریں گی کہ ان کی برائیاں زیادہ ہوتیں''۔ عرض کی گئی: وہ کون ہیں؟ فرمایا: ''جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ

نیکیوں سے بدل دے گا''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، ثعلبی اور قشیری نے اسے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبدیل سے مراد بخشش ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو بخش دے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیکیوں میں بدل دے گا۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ کوئی بعید نہیں کہ جب بندے کی توبہ صحیح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سیئہ کی جگہ حسنہ رکھ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا: ''برائی کے بعد نیکی کرو جو اس برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ''۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس آدمی کو جانتا ہوں جو جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا اور اس آدمی کو بھی جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ ایک آدمی کو قیامت کے روز لایا جائے گا، یہ کہا جائے گا: اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو اس سے اٹھا لو اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، اسے کہا جائے گا: تو نے یہ عمل کیا اور تو نے فلاں فلاں دن یہ عمل کیا۔ وہ کہے گا: ہاں۔ وہ انکار کی طاقت نہیں رکھے گا۔ جب کہ وہ بڑے گناہوں کے پیش کرنے سے ڈر رہا ہوگا۔ اسے کہا جائے گا: تیرے لیے ہر برائی کی جگہ نیکی ہے۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے کچھ ایسے عمل کیے ہیں جو میں نے یہاں نہیں دیکھے''۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ ابوطویل نے کہا: ''یا رسول اللہ! ایسے آدمی کے بارے میں بتایئے جس نے ہر گناہ کیا ان میں سے کوئی چیز نہ چھوڑی اس نے چھوٹی بڑی کوئی خواہش نہ چھوڑی مگر اس کو پورا کیا اس کے لیے توبہ ہے؟ فرمایا: ''کیا تم نے اسلام قبول کیا ہے'' اس نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرمایا: ''ہاں۔ تو نیکیاں کرے گا اور برائیوں کو ترک کرے گا اللہ تعالیٰ سب کو نیکیاں بنا دے گا''۔ عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے دھوکے اور میرے گناہ؟ فرمایا: ''ہاں''۔ اس نے زبان سے یہ نعرہ لگایا: اللہ اکبر! وہ لگاتار یہ کلمات کہتا رہا یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ بشر بن عبید نے کہا: جو علم نحو اور لغت عربی سے آگاہ تھا (وہ جانتا ہے) حاجہ سے مراد وہ امر ہے جو حاجی پر لازم ہوتا ہے جب وہ حج کے لیے جا رہے ہوں اور داجہ سے مراد وہ امر ہوتا ہے جو اس پر اس وقت لازم کیا جاتا ہے جب وہ واپس پلٹیں۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

''اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے''۔

یہ جملہ نہیں کہا جاتا: مَنْ قَامَ فَاِنَّهٗ يَقُوْمُ، تو یہ کس طرح فرمایا: وَمَنْ تَابَ فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے اہل مکہ میں سے جو ایمان لایا اور ہجرت کی اس نے نہ قتل کیا تھا اور نہ ہی زنا کیا تھا بلکہ اس نے عمل صالح کیا اور فرائض کو ادا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے والا ہے، یعنی میں نے انہیں ان لوگوں پر مقدم رکھا اور ان پر فضیلت دی جنہوں نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اور محارم کو حلال جانا۔ قفال نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ پہلی آیت ان لوگوں کے بارے میں ہو جنہوں نے مشرک ہونے کے بعد توبہ کی، اسی وجہ سے فرمایا: اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ پھر مسلمانوں میں سے جنہوں نے توبہ کی اس پر اس کا عطف کیا اور اپنی توبہ کے بعد عمل صالح کیا اس کے لیے بھی تائبین کا حکم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے زبان سے توبہ کی اور اپنے فعل کے ساتھ اسے ثابت نہ کیا ایسی توبہ نفع دینے والی نہیں بلکہ جس نے توبہ کی اور صالح عمل کیا اور اعمال صالحہ کے ساتھ توبہ کو ثابت کیا اسی نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کی، یہی توبۃ النصوح ہے، اسی وجہ سے مصدر کے ساتھ اسے موکد کیا۔ مَتَابًا مصدر ہے اس کا معنی تاکید ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴿۱۶۴﴾ (النساء) وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حق سچ کی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ یقینی طور پر قبول فرماتا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

''اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس سے تو بڑے باوقار ہو کر گزر جاتے ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ جو کذب اور باطل کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور نہ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ زور اس باطل کو کہتے ہیں جسے آراستہ کر کے پیش کیا جائے۔ ان میں سے سب سے عظیم شرک اور شریکوں کی تعظیم بجا لانا ہے، ضحاک، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے: مراد مشرکوں کی عیدیں ہیں۔ عکرمہ نے کہا: مراد لعب (کھیل کود) ہے دور جاہلیت میں اسے زور کہتے۔ مجاہد نے کہا: مراد گانا گانا ہے، یہ حضرت محمد بن حنیفہ کا بھی قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: مراد جھوٹ ہے، مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ علی بن طلحہ اور محمد بن علی نے کہا: معنی ہے وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یہ شہادت سے مشتق ہے مشاہدہ سے مشتق نہیں۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ کذب ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جھوٹ کی طرف راجع ہے۔ جس نے یہ کہا: یہ دور جاہلیت میں کھیل کود تھا اگر اس میں جوا ہو یا جہالت ہو یا ایسا امر ہو جو کفر کی طرف لے جانے والا ہو تو یہ حرام ہو گا، جہاں گانا گانے کا تعلق ہے تو وہ اس حد تک نہیں پہنچتا۔

میں کہتا ہوں: گانے میں ایسی صورت بھی ہے جس کا سننا حرمت تک جا پہنچتا ہے وہ ان اشعار کی طرح ہیں جن میں حسین صورتوں اور شراب وغیرہ کی صفت بیان کی جاتی ہے جو طبیعتوں میں حرکت پیدا کرتے ہیں اور اسے اعتدال سے نکال دیتے ہیں یا ہوک کے بارے میں چھپی محبت کو ابھارتے ہیں، خصوصاً جب ان اشعار کے ساتھ آلات لہو ولعب بھی شامل ہو جائیں۔ جس طرح آج کے دور میں کیا جاتا ہے؛ جس کی وضاحت ہم نے کئی مواقع پر کر دی ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد جھوٹی گواہی ہے، تو یہی دوسرا مسئلہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارتے، اس کے چہرے پر کالک ملتے، اس کے سر کا حلق کراتے اور بازار میں پھراتے۔ اکثر اہل علم نے کہا: اس کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے گی اگرچہ وہ توبہ کرے اور

اس کا حال اچھا ہو جائے۔ اس کا امر اللہ کے سپرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اعلانیہ جھوٹی شہادت دینے والا نہ ہو اور اس کا حال اچھا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی جس طرح اس کی وضاحت سورۂ حج میں گزر چکی ہے وہاں اس میں غور وفکر کر لے۔

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا لغو کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو پایہ ثقاہت سے گرا ہوا اس میں غنا، لہو اور اس کے قریب قریب کی چیزیں مراد ہیں۔ اس میں مشرکین کے بے وقوفانہ عمل، ان کا مومنوں کو اذیت دینا، عورتوں کا ذکر اور ان جیسے ناپسندیدہ عمل ہیں۔ مجاہد نے کہا: جب انہیں اذیت دی جائے تو وہ درگزر سے کام لیتے ہیں، ان سے مروی ہے: جب وہ نکاح کا ذکر کرتے ہیں تو کنایہ سے کام لیتے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: لغو سے مراد تمام قسم کی نافرمانیاں ہیں (1)؛ یہ جامع قول ہے۔

كِرَامًا اس کا معنی ہے وہ اعراض کرتے ہیں ناپسند کرتے ہیں، اس پر راضی نہیں ہوتے، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھتے، یعنی وہ کریم لوگوں کی طرح گزر جاتے ہیں وہ باطل میں داخل نہیں ہوتے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: تکرم فلان عما یشینه، فلاں نے عیب دار چیز سے اپنے آپ کو پاکیزہ رکھا اور اس سے اپنے نفس کو معزز رکھا۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نغمہ کو سنا تو جلدی چلے اور وہاں سے چلے گئے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو فرمایا: لقد أصبح ابن أم عبد کریما، ابن ام عبد کریم ہو گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ۝۷۳

"اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر"۔

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **وَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ** جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اپنی آخرت کو یاد کرتے ہیں اور وہ غافل نہیں ہوتے یہاں تک کہ وہ اس کے قائم مقام ہو جاتے جو سنتا ہی نہیں۔ **لَمْ یَخِرُّوْا** وہاں کوئی خرور نہیں ہوتا، جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: قعد یبکی وہ روتا رہا، اگرچہ وہاں بیٹھنا نہیں ہوتا؛ یہ طبری نے کہا اور اسے پسند کیا۔ ابن عطیہ نے کہا: وہ بہرے اور اندھے گر پڑتے ہیں، یہ کفار کی صفت ہے اس سے مراد ان کا اعراض کرنا ہے یہ تیرے اس قول کے موافق ہے: قعد فلان یشتمنی، قام فلان یبکی۔ تو نے اس کے ساتھ قعود (بیٹھنے) اور قیام (کھڑے ہونا) کی خبر دینے کا قصد نہیں کیا۔ یہ کلام اور عبارت میں تمہید کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ذکر کو سننے والا سیدھے نیزے والا اور سیدھے امر والا ہوتا ہے جب وہ اعراض کرے اور گمراہ ہو جائے تو یہ خرور ہوتا ہے اس سے مراد نظام اور ترتیب کے بغیر گرنا ہے، اسے تشبیہ دی جاتی ہے اس کے ساتھ جو سجدہ کرتے ہوئے گرتا ہے، لیکن اس کی اصل، ترتیب کے برعکس ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر

1۔ تفسیر طبری

پڑتے ہیں وہ بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ فراء نے کہا: وہ پہلی حالت پر نہیں بیٹھے رہتے گویا انہوں نے سنا ہی نہ ہو۔

مسئلہ نمبر2۔ بعض علماء نے کہا: جس نے کسی آدمی کو آیت سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سنا وہ اس کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنا جو اس پر تلاوت کی جارہی تھیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ صرف قاری پر لازم ہے جہاں تک دوسرے افراد کا تعلق ہے ان پر یہ لازم نہیں مگر صرف ایک مسئلہ میں، وہ یہ ہے کہ ایک آدمی جب قرآن کی تلاوت کرے اور آیت سجدہ کی تلاوت کرے اگر اس کے پاس کوئی اس لیے بیٹھا ہوا تھا کہ وہ اس کی تلاوت کو سنے تو اس کے ساتھ سجدہ کرے اگر اس نے سماع کو لازم نہیں کیا تھا تو اس پر کوئی سجدہ نہیں۔ یہ بحث سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۝ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۝

''اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیز گاروں کے لیے پیشوا۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو بدلا ملے گا (جنت کا) بالا خانہ ان کے صبر کرنے کے باعث اور ان کا استقبال کیا جائے گا وہاں دعا اور سلام سے، وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں، بہت عمدہ ٹھکانہ اور قیام گاہ ہے۔ آپ فرمایئے: کیا پرواہ ہے تمہاری میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو اور تم نے (تو الٹا) جھٹلانا شروع کر دیا تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بنا رہے گا''۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ضحاک نے کہا: وہ تیری اطاعت کرتے ہوئے۔ اس آیت میں بچے کی دعا کا جواز ہے، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ذریۃ واحد اور جمع ہے، واحد کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (آل عمران:38) فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا۝ (مریم) جمع کے لیے یہ آیت ہے: ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا (النساء:9) سورۂ بقرہ میں اس کا اشتقاق مفصل گزر چکا ہے۔

ابن کثیر، ابن عامر اور حضرت حسن بصری نے وذریاتنا قراءت کی ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی، طلحہ اور عیسیٰ نے ذریتنا قرأت کی ہے۔

قُرَّةَ اَعْيُنٍ مفعول کے طور پر منصوب ہے یعنی ہماری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس سے فرمایا: اللھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیہ اے اللہ اس کے مال اور اس کی اولاد کو زیادہ کر دے اور اس کے لیے اس میں برکت رکھ دے۔ اس کی وضاحت سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں گزر چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کے لیے اس کے مال اور اس کی اولاد میں برکت رکھی جاتی ہے تو اس کے اہل اور عیال کی وجہ سے اس کی

آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس اس کی بیوی ہو اس بیوی میں اس کی آرزوئیں جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ جمال ہو، عفت ہو اور پاک دامنی ہو یا اس کے پاس اولاد ہو جو طاعت پر دوام اختیار کریں، دین اور دنیا کے امور میں اس کے معاون ہوں۔ وہ کسی اور کی بیوی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی کی اولاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی آنکھ ملاحظہ سے سکون پاتی ہے اس کی آنکھ اس کی طرف ممتد نہیں ہوتی جس کی طرف وہ دیکھتی ہے۔ یہی آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور نفس کا سکون ہے۔ قرۃ کے لفظ کو واحد ذکر کیا کیونکہ یہ مصدر ہے تو کہتا ہے: قرت عینك قرة، قرة العین کے بارے میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ قرار سے مشتق ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ قر سے مشتق ہو، یہ زیادہ مشہور ہے۔ قر کا معنی ٹھنڈک ہے کیونکہ عرب گرمی سے اذیت حاصل کرتے اور ٹھنڈک سے راحت حاصل کرتے نیز خوشی کا آنسو ٹھنڈا اور غم کا آنسو گرم ہوتا ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: اقر الله عینك الله تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا کرے اسخن الله عین عدوك الله تعالیٰ تیرے دشمن کی آنکھ گرم کرے۔ شاعر نے کہا:

فکم سَخِنَتْ بالأمس عینٌ قریرةٌ   وقرَّت عیونٌ دمعُها الیومَ ساکبُ

گزشتہ کل میں کتنی ہی ٹھنڈی آنکھیں گرم ہوئیں اور کتنی ہی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں آج جن کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا، امام کا معنی مقتدیٰ ہے جو بھلائی میں ہماری رہنمائی کرتا ہے یہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب داعی متقی ہو یہی داعی کا مقصود ہوتا ہے، موطا امام مالک میں ہے: إنكم أيها الرهط أئمة يقتدى بكم اے جماعت! تم امام ہو تمہاری اقتدا کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی دعا میں عرض کیا کرتے تھے: اے اللہ! ہمیں متقین کا امام بنا دے۔ اماما کہا ائمہ نہیں کہا یعنی جمع کا صیغہ ذکر نہیں کیا کیونکہ امام مصدر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أم القوم فلان اماما جس طرح صیام اور قیام مصدر ہے۔ بعض نے کہا: ائمہ کا ارادہ کیا جس طرح کوئی کہنے والا کہتا ہے: امیرنا ھولاء یہاں امیر سے مراد امراء ہے۔ شاعر نے کہا:

یا عاذلاتی لا تَزِدْنَ مَلَامَتِی   إنّ العواذل لَسْنَ لِی بأمیرِ

اے مجھے ملامت کرنے والیو! مجھے ملامت کرنے میں اضافہ نہ کرو کیونکہ ملامت کرنے والیاں میری امیر نہیں۔

اس شعر میں امیر، امراء کے معنی میں ہے۔ قشیری ابو القاسم صوفیہ کے شیخ کہا کرتے تھے: امامت دعا کے ساتھ ہوتی ہے دعویٰ کے ساتھ نہیں ہوتی یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی جانب سے آسان کرنے اور اس کے احسان کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ جو انسان اپنے لیے اس کا دعویٰ کرے۔ حضرت ابراہیم نخعی نے کہا: انہوں نے ریاست کو طلب نہیں کیا بلکہ وہ دین میں مقتدیٰ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمیں ہدایت کے ائمہ بنا دے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا** (الانبیاء: 73) مکحول نے کہا: تقویٰ میں ہمیں امام بنا دے متقی ہماری اقتدا کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام قلب سے تعلق رکھتی ہے اس کا مجاز ہے: واجعل المتقین لنا اماما! یہ مجاہد کا قول ہے، پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن عباس اور مکحول کا قول بھی اسی طرف راجع ہے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ دین میں سرداری طلب کرنا مستحب ہے امام لفظ کے اعتبار سے واحد ہے اور جمع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے جس طرح قیام ہے۔ اخفش نے کہا:

امام، ام کی جمع ہے امر یؤم سے مشتق ہے یہ فعال کی جمع ہے جس طرح صاحب کی صحاب اور قائم کی جمع قیام ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا، اُولٰٓئِكَ، وعباد الرحمن کی خبر ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے اس بارے میں جو بھی قول کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے اچھا قول ہے، مبتدا اور خبر میں جو کچھ ہے وہ ایسے اوصاف ہیں جن سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا اور جن سے اپنے آپ کو پاک کرنا ہے وہ گیارہ اوصاف ہیں (۱) تواضع (۲) حلم (۳) تہجد (۴) خوف (۵) اسراف اور اقتار کو ترک کرنا (۶) شرک، زنا اور قتل سے بچنا (۷) توبہ کرنا (۸) جھوٹ سے اجتناب کرنا (۹) زیادتی کرنے والے کو معاف کرنا (۱۰) نصیحتوں کو قبول کرنا (۱۱) الله تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنا۔

الْغُرْفَةَ بلند درجہ۔ یہ جنت کی منازل میں سے سب سے بلند درجہ ہے اور سب سے افضل درجہ ہے جس طرح بالا خانہ دنیا کے مسکنوں میں سے سب سے اعلیٰ مسکن ہے؛ ابن شجرہ نے یہ بیان کیا ہے۔ ضحاک نے کہا: غرفۃ سے مراد جنت ہے بِمَا صَبَرُوْا اپنے رب کے حکم پر صبر کرنے کے باعث اور اپنے نبی کی طاعت کے باعث۔ محمد بن علی بن حسین نے کہا: انہوں نے دنیا میں فقر و فاقہ پر جو صبر کیا اسی کے باعث۔ ضحاک نے کہا: انہوں نے شہوات پر جو صبر کیا۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا، ابوبکر، مفضل، اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے ويَلقون تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، فراء نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: فلان يَتلقی بالسلام و بالتحية و بالخير وہ بہت کم فلان يُلقی بالسلامة کہتے ہیں باقی قراء نے ويُلقون پڑھا ہے؛ اسے ابو عبید اور ابو حاتم نے پسند کیا ہے، کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا۝ (الانسان) ابو جعفر نحاس نے کہا: فراء جس طرف گئے ہیں اور جسے اختیار کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ وہ یہ گمان کرتے ہیں اگر یہ یلقون ہو تو لغت عرب میں یہ تحیۃ اور سلام کے لیے ہوتا ہے انہوں نے کہا جس طرح قول کیا جاتا ہے: فلان يتلقی بالسلام و بالخير اس باب میں جو کچھ انہوں نے کہا وہ عجیب و غریب ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: یتلقی جب کہ آیت يُلَقَّوْنَ ہے دونوں میں فرق واضح ہے کیونکہ جملہ کہا جاتا ہے: فلان يتلقی بالخير، باء کا حذف جائز نہیں تو یہ اس کے مشابہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم میں: وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا۝ ہے اسے کسی اور لفظ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ یہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ اولیٰ اس کے برعکس ہے جو انہوں نے کہا۔ تحیۃ، الله تعالیٰ کی جانب سے ہے اور سلام ملائکہ کی جانب سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحیۃ سے مراد دائمی بقا اور ملک عظیم ہے۔ اظہر یہ ہے کہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں اور دونوں الله تعالیٰ کی جانب سے ہیں اس کی دلیل الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب: 44) خٰلِدِيْنَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ یہ مشکل آیت ہے۔ ملحدہ نے اس سے استدلال کیا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ماعبأت لفلان میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، یعنی اس کا میرے ہاں کوئی وزن اور کوئی قدر نہ تھی۔ یعبا کی اصل عبأ ہے جس کا معنی بوجھ ہے۔ شاعر کا قول ہے:

كأن بصدره وبجانبيه عَبِيْرًا بات يَعْبَؤُهُ عَرُوسٌ

وہ بعض کو بعض پر رکھتا ہے، عبأ کا معنی بھاری بوجھ ہے اس کی جمع اعباء ہے۔ عبأ مصدر ہے ما استفہامیہ ہے زجاج کے کلام کے بیچ میں یہ ظاہر ہوا اور فراء نے اس کی تصریح بیان کی۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ نافیہ ہو کیونکہ جب تو نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ استفہام ہے تو یہ نفی ہے جو استفہام کی جگہ واقع ہوا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ (الرحمٰن) ابن شجری نے کہا: میرے نزدیک قول کی حقیقت یہ ہے کہ ما محل نصب میں ہے؛ تقدیر کلام یہ ہوگی: أي عبء یعبأ بکم وہ کیسی پرواہ ہے جو میرا رب تمہارے بارے میں کرے اگر اس کی تمہیں دعوت نہ ہو کہ تم اس کی عبادت کرو، اس قول کی بنا پر مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے؛ یہ فراء کا پسندیدہ قول ہے اس کا فاعل محذوف ہے اور لولا کا جواب محذوف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں محذوف ہے: وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ (الرعد: 31) اس کی تقدیر ہوگی لم یعبأ بکم۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۞ (الذاریات) خطاب تمام لوگوں کو ہے گویا ان میں سے قریش سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری کیا پرواہ کرے گا اگر تم نے اس کی عبادت نہ کی ہوگی، یہی تو وہ امر ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کی پرواہ کرتا ہے۔ ابن زبیر اور دوسروں کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تمام لوگوں کو اس چیز کے ساتھ خطاب ہے جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ کرتا ہے پھر قریش سے فرماتا ہے: تم نے جھٹلایا اور تم نے اس کی عبادت نہ کی عنقریب یہی تکذیب دائمی عذاب کا سبب ہوگی۔ نقاش اور دوسرے علماء نے کہا: معنی ہے اگر مشکلات میں تم اس کی بارگاہ میں مدد طلب نہ کرتے، اس کی وضاحت ہے: فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ (العنکبوت: 65)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے تمہارے گناہ بخشنے کا کیا مسئلہ تھا اور نہ ہی وہ امر جو اس کے نزدیک عظیم تھا: لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ اگر اس کے ساتھ معبودوں اور شرکاء کی عبادت نہ ہوتی۔ اس کی وضاحت اس آیت میں ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (النساء: 147) یہ ضحاک کا قول ہے۔ ولید بن ابی الولید نے کہا: مجھے اس آیت کے بارے میں یہ تعبیر پہنچی ہے میں نے تمہیں پیدا کیا اور نہ ہی مجھے تم سے کوئی غرض تھی مگر یہ کہ تم مجھ سے سوال کرو اور میں تمہیں بخش دوں اور تمہیں عطا کروں۔

وہب بن منبہ نے روایت بیان کی ہے کہ تورات میں ہے: اے انسان! میری عزت کی قسم میں نے تجھے پیدا نہیں کیا کہ میں تجھ سے نفع حاصل کروں میں نے تجھے اس لیے پیدا کیا ہے کہ تو مجھ سے نفع حاصل کرے ہر شے کا بدل مجھ سے لے میں ہر چیز سے تیرے لیے بہتر ہوں۔

ابن جنی نے کہا: حضرت ابن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں قراءت کی: فقد كذب الكافرون زاہروی اور نحاس نے کہا: یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے اور یہ تفسیر کے اسلوب میں ہے جو كَذَّبْتُمْ میں تاء اور میم کی تفسیر ہے۔ قتبی اور فارسی اس طرف گئے ہیں کہ دعا فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے۔ اصل کلام یہ ہے لولا دعاء کم آلهة من دونه، لولا کا جواب محذوف ہے اس صورت میں تقدیر ہوگی: لم یعذبکم۔ لولا دعاء کم آلهة کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (الاعراف: 194)

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ جس امر کی تمہیں دعوت دی گئی اس کو تم نے جھٹلایا، یہ پہلے قول کی بنا پر ہے۔ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جھٹلایا۔ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا یعنی تمہاری تکذیب تم کو لازم ہو گی۔ معنی ہے عنقریب تکذیب کی جزا ہو گی۔ جس طرح فرمایا: وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الکہف: 49) انہوں نے جو کچھ کیا اس کی جزا کو حاضر پایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (الانفال) یعنی تم نے جو کفر کیا اس کی جزا چکھو۔ تکذیب کو مضمر کرنا اچھا ہے کیونکہ اس کا فعل پہلے مذکور ہو چکا ہے کیونکہ جب تو فعل کا ذکر کرے گا تو وہ اپنے لفظ کے ساتھ مصدر پر دال ہو گا۔ جس طرح فرمایا: وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (آل عمران: 110) یہاں ایمان محذوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (زمر: 7) یہاں یرضی کا فاعل الشکر ہے۔ اس کی بے شمار امثلہ ہیں۔ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہاں لزام سے مراد وہ ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر ان پر مصیبت نازل ہوئی؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، ابو مالک، مجاہد، مقاتل وغیرہ کا قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے روایت مروی ہے: بطشہ، دخان اور لزام گزر چکا۔ سورۂ دخان میں اس کی مفصل وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔ ایک جماعت نے کہا: عذاب آخرت کی دھمکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے: لزام سے مراد جھٹلانا ہی ہے۔ یعنی اس سے توبہ کا انہیں موقع نہ دیا جائے گا۔ زہراوی نے اس کا ذکر کیا ہے(1): اس میں یوم بدر اور دوسرے عذاب داخل ہو جاتے ہیں جو ان کو لازم ہوں گے۔ ابوعبیدہ نے کہا: لزام سے مراد فیصلہ ہے یعنی عنقریب تمہارے اور مومنوں کے درمیان فیصلہ ہو گا۔ جمہور قراء لام کو کسرہ دیتے ہیں، ابوعبیدہ نے صخر کا یہ شعر پڑھا ہے:

فإما يَنْجُوَا من خَسْفِ أرضٍ فقد لَقِيا حُتُوفَهما لِزاما

اگر وہ دونوں زمین کے دھنسنے سے نجات پا گئے ہیں تحقیق ان دونوں نے اپنی موتوں کو فیصلہ کن دیکھا ہے۔

لزاما اور ملازمہ دونوں ایک ہیں۔ طبری نے کہا: لزاما سے مراد ایسا عذاب ہے جو دائمی اور لازم ہے۔ اور ایسی ہلاکت ہے جو فنا کرنے والی ہے جو تم ایک دوسرے کو لاحق کرتے ہو، جس طرح ابوذؤیب کا قول ہے:

ففاجأه بعاديةٍ لِزامٍ كما يَتَفَجَّرُ الحوضُ اللَّقِيفُ

اسے اچانک اس قول نے آلیا جو اپنے قدموں پر دوڑتی ہے اور ایک دوسرے کو لاحق کرتی ہے جس طرح وہ حوض بہہ پڑتا ہے جس کے پتھر ٹوٹ جائیں۔ لزام سے مراد جس کا بعض بعض کی پیروی کرے۔ لقیف سے مراد جس کے پتھر ٹوٹ کر گر جائیں۔

نحاس نے کہا: ابوحاتم نے ابوزید سے کہا میں نے قعنب ابوسمال کو پڑھتے ہوئے سنا: لَزاما یعنی لام کو فتحہ دیا۔ ابوجعفر نے کہا: یہ لزم کا مصدر ہو گا اور کسرہ اولیٰ ہے؛ یہ قتال اور مقاتلہ کی مثل ہے جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں لام کے کسرہ پر اجماع کیا ہے: وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى (طہ) دوسرے علماء نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز

لزام فتحہ کے ساتھ یہ لزم کا مصدر ہے جس طرح سلم سلاما ہے سلام سلامتی کے معنی میں ہے لزام فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی لزوم ہے اور لِزام کا معنی ملازمت ہے، دونوں قراتوں میں مصدر، اسم فاعل کی جگہ واقع ہے لِزام، ملازم کی جگہ واقع ہے اور لَزام لازِم کی جگہ واقع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا (ملک:30) اس میں غورا، غائر کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: یکون کے اسم میں فراء کا قول ہے، کہا: وہ مجہول ہوگا۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ مجہول کی خبر جملہ ہی ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ (یوسف:90) جس طرح نحویوں نے کہا: کان زید منطلق کان میں اسم مجہول ہوگا مبتدا اور خبر مجہول کی خبر ہوگی، تقدیر کلام یہ ہوگی کان الحدیث فاما أن یقال کان منطلقا. کان میں اسم مجہول ہوگا۔ کسی ایک کو بھی ہم نہیں جانتے جس کے نزدیک یہ جائز ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے، اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔